اتہاماتِ تنزیل الصدیقی الحسینی پر ایک نظر

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاریؒ

نسبتِ خلافت، عقائد و نظریات

اور اہلِ علم سے باہمی تعلقات

کے تناظر میں

محمد احمد ترازی

ماہنامہ معارف رضا کراچی جون 2017ء

دوماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ مئی جون 2017ء

ماہنامہ

معارفِ رضا

کراچی

جلد 18

شمارہ: 6

جون 2017ء

رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

Raza Research Institute

بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی

محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری

مدیر اعلیٰ:	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
مدیر:	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
نائب مدیر:	پروفیسر دلاور خاں
ممبران ادارتی بورڈ	پروفیسر ڈاکٹر محمد حسن امام صاحبزادہ سید ریاست رسول قادری

ISBN 978-969-9266-04-1

ماہنامہ معارفِ رضا

جلد: 18 شمارہ: 06

جون 2017ء / رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ

فی شمارہ: 50 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے /500 روپے رجسٹرڈ ڈاک سے /1000 روپے
بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: [illegible]
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 00450052144503
حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

فہرستِ ترتیب

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ﴿ادارہ﴾

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (انٹرنیشنل)

25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+

ای میل: imamahmadraza@gmail.com ، ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ

نسبتِ خلافت، عقائد و نظریات اور اہلِ علم سے باہمی تعلقات کے تناظر میں

محمد احمد ترازی (کراچی)

"الخطاب" دراصل پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک یادگار تاریخی تقریر ہے، جو آپ نے ۲۹، دسمبر ۱۹۱۴ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھائیسویں (۲۸) اجلاس منعقدہ راولپنڈی کے ساتویں سیشن میں کی۔ یہ تقریر پہلی بار ۱۹۱۵ء میں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ کے زیرِ انتظام کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ اکتوبر ۲۰۱۶ء میں سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محب جناب ظہورالدین امرتسری صاحب نے ادارہ پاکستان شناسی لاہور کے تحت اِس کی طبع جدید کا اہتمام کیا۔ اور کتاب میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام، اغراض و مقاصد، منعقدہ اجلاس میں منظور ہونے والی قراردادیں و عکسی نوادرات کے ساتھ "حیاتِ مولانا سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی چند جھلکیاں" از: حکیم محمد خلیل احمد القادری البرکاتی سابق ریڈر طبیہ کالج علی گڑھ اور خود ظہورالدین صاحب کے اپنے انتخاب "مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح" و "پروفیسر سلیمان اشرف اکابرینِ ملت کی نظر میں" جیسی مفید و معلوماتی تحاریر کو جگہ دی۔ ساتھ ہی اُنھوں نے "سخن ہائے گفتنی" کے عنوان سے محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کا ایک مضمون بھی شاملِ کتاب کیا۔ جس میں سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات و کردار اور نسبتِ خلافتِ محدث بریلوی کے حوالے سے بہت سے خلافِ واقعہ امور منسوب کرکے قاری کو ذہنی و فکری خلفشار میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی۔

کاش! سیّد صاحب کے محب ظہورالدین امرتسری صاحب مضمون کو شاملِ کتاب کرنے سے پہلے اُس کا بغور مطالعہ فرماکر اثرات و مضمرات کا جائزہ لیتے تو اُنھیں اندازہ ہو جاتا کہ صاحبِ مضمون نے ایک تیر سے دو شکار کرتے ہوئے کس خوبصورتی سے سیّد سلیمان اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و کردار کو ہی متنازعہ نہیں بنایا بلکہ خود ظہورالدین امرتسری کو بھی وضاحتی کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے۔ خیر اپنی ذات سے منسوب سلامت روی، وسیع المشربی اور صلح کلیت کا بہتر جواب تو ظہورالدین صاحب ہی دے سکتے ہیں۔ جہاں تک پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے کردار و عمل کا معاملہ ہے، تو بہت ضروری تھا کہ اِس تاریخی خیانت اور علمی بددیانتی کا جائزہ لیا جائے اور صاحبِ مضمون کی خلافِ حقیقت اور گمراہ کن باتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کی درست تصویر عوام الناس کے سامنے پیش کی جائے۔ چنانچہ اِس جائزے سے قبل صاحبِ مضمون کا ایک مختصر سا تعارف پیش نظر کیا جاتا ہے تاکہ اصل صورتحال اور حقائق کے ادراک میں آسانی رہے۔

صاحبِ مضمون کا مختصر تعارف:

صاحبِ مضمون کا اصل نام محمد تنزیل ہے، مگر محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء کو پیدا ہونے والے محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، غیر مقلد محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی (۱۹۹۵ء۔۱۹۲۱ء) کے صاحبزادے ہیں۔ خود بھی مسلکاً اہلِ حدیث (غیر مقلد) مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ موصوف کراچی سے شائع ہونے والے مجلہ "الواقعہ" کے مدیر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

اِس مختصر تعارف کے بعد محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے مضمون "سخن ہائے گفتنی" کی طرف آتے ہیں جس میں وہ سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبتِ خلافتِ محدثِ بریلوی کی نفی ہی نہیں کرتے بلکہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وسیع المشربی قرار دیتے ہوئے اُن پر صلح کلی ہونے کا سنگین الزام بھی لگاتے ہیں۔(۱)

سب سے پہلے موصوف نے نسبت خلافت کا انکار کرتے ہوئے چار مفروضے قائم کیے ہیں اور بغیر تحقیق کے یہ نتیجہ اخذ کر بیٹھے کہ مولانا سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ، فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ نہیں چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے ان مفروضات کی صحت کی جانچ تحقیقی انداز میں کی جائے تاکہ صحیح نتائج کے حصول میں مدد مل سکے۔

پہلا مفروضہ:

ذکر احباب ودعاء احباب میں 14 خلفاء کا ذکر ہے اس میں مولانا سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کا نام شامل نہیں اس لیے مولانا سلیمان اشرف فاضل بریلوی کے خلیفہ نہیں۔

اگر تنزیل صاحب کے مفروضے کی صحت کو قبول کرلیا جائے کہ ذکر احباب میں 14 خلفاء کا ذکر ہے اس میں سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ سمیت دیگر خلفا کا تذکرہ نہیں ہے اس لیے سید سلیمان اشرف سمیت دیگر درجنوں علماء خلفائے اعلیٰ حضرت نہیں۔ کیا کوئی ذی شعور ان کے اس خلاف حقیقت اور گمراہ کن نتیجے سے اتفاق کرے گا۔ یہ ایک روز روشن کی طرح ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت سلیمان اشرف سمیت دیگر درجنوں علماء خلفائے اعلیٰ حضرت ہیں جن کا تذکرہ ذکر احباب ودعاء احباب میں موجود نہیں۔ ان کی گمراہی کی علت ایک مستند قاعدے "عدم ذکر مستلزم عدم ذکر نہیں" سے انحراف معلوم ہوتی ہے۔

اس قاعدے کے مطابق کسی کا ذکر نہ کرنا اس بات کا ثبوت نہیں کہ اس کا وجود نہیں ہے۔ اس قاعدے کی روشنی میں اگر ذکر احباب میں حضرت سید سلیمان اشرف ودیگر خلفا کا ذکر معدوم ہے تو اس سے کب ثابت ہوتا ہے کہ سید صاحب ودیگر خلفائے اعلیٰ حضرت نہیں۔ قاعدے کے انحراف سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ غلط اور گمراہ کن ہے ان حقائق کی روشنی میں موصوف کا معروضہ مسترد ہوجاتا ہے۔ بر سبیل محمد تنزیل ایک تسامح کا شکار ہیں یعنی ذکر احباب میں خلفائے اعلیٰ حضرت کی تعداد 14 بتاتے ہیں جبکہ حقیقت میں ان کی تعداد سولہ ہے ملاحظہ ہو:

(۱) مولانا حامد رضا خاں، (۲) مولانا عبد السلام جبل پوری، (۳) مولانا ظفر الدین بہاری، (۴) مولانا محمد امجد علی، (۵) مولانا نعیم الدین مراد آبادی، (۶) ابو المحمود احمد اشرفی، (۷) مولانا دیدار علی، (۸) مولانا مختار صدیقی، (۹) مولانا عبد العلیم صدیقی، (۱۰) مولانا عبد الاحد، (۱۱) مولانا محمد رحیم بخش، (۱۲) مولانا حاجی لعل خاں، (۱۳) مولانا مصطفیٰ رضا خاں، (۱۴) مولانا برہان الحق جبل پوری، (۱۵) مولانا محمد شفیع، (۱۶) مولانا حسنین رضا خاں۔

دوسرا مفروضہ:

فاضل بریلوی نے ضروری اعلان کے تحت ایک اشتہار شائع کرایا جس میں ۵۰ خلفا کا ذکر ہے اس میں سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں اس لیے آپ فاضل بریلوی کے خلیفہ نہیں۔

موصوف یہاں بھی مذکورہ بالا قاعدے سے انحراف کرتے دکھائی دے رہے ہیں کہ عدم ذکر مستلزم عدم ذکر نہیں، ذکر احباب میں سولہ خلفا کا ذکر تھا باقی ذکر معدوم، کسی خلیفہ کے ذکر کا معدوم ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ خلیفہ اعلیٰ حضرت نہیں۔ اسی طرح اشتہار میں 50 خلفاء کا ذکر ہے باقی خلفاء کا ذکر معدوم ہے اس قاعدے کی رو سے کیا ثابت ہوا کہ مولانا سید سلیمان اشرف ودیگر خلفائے اعلیٰ حضرت نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ذکر احباب اور اشتہار میں مذکور خلفائے اعلیٰ حضرت کی فہرست حتمی نہیں ہے اس تناظر میں پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں کہ "تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت" میں ۸۰ خلفاء کا ذکر کیا جارہا ہے جس کے حالات وافکار وخدمات

کا سراغ لگایا جاسکا ہے مگر ۲۵، ۳۰ سے زیادہ نام علم میں آئے کہ ان کو اعلیٰ حضرت سے خلافت حاصل رہی مگر ان کے حالات قطعی طور پر میسر نہ ہوسکے" اس مستند تذکرے میں ڈاکٹر مجید اللہ قادری اور محمد صادق قصوری نے سید سلیمان اشرف سمیت دیگر ۳۰ خلفائے اعلیٰ حضرت کا تذکرہ قلم بند کیا ہے جن کے اسمائے گرامی ذکر احباب و اشتہار میں شامل نہیں تھے ان حقائق کی روشنی میں تنزیل صاحب کا ذکر احباب و اشتہار میں معدوم خلفا کا انکار ان کی کم علمی اور تعصب کا ثبوت ہے علمی اور تحقیقی بنیاد پر موصوف کا دوسرا مفروضہ بھی مسترد ہو جاتا ہے۔

تیسرا مفروضہ:

مولانا کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب میں نسبت خلافت کا ذکر نہیں کیا اس لیے سلیمان اشرف فاضل بریلوی کے خلیفہ نہیں۔

موصوف کی اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ معیار نسبت خلافت سوانح نگار ہے اگر سوانح نگار نسبت خلافت کا ذکر کر دیتے تو مولانا سید سلیمان اشرف﷫ خلیفہ اعلیٰ حضرت قرار پاتے مگر چونکہ سید سلیمان اشرف کے سوانح نگار نے نسبت خلافت کا ذکر نہیں کیا اس لیے سید صاحب، فاضل بریلوی کے خلیفہ نہیں۔

اگر موصوف کے نزدیک معیار نسبت خلافت سوانح نگار ہے تو ہم ایک کے مقابلے میں درجنوں تذکرہ نگاروں اور ان کی کتب سے ثابت کرتے ہیں کہ انہوں نے سید صاحب کی نسبت خلافت اپنی کتب میں اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کی ہے۔

یعنی ان تمام نے آپ کو خلیفہ اعلیٰ حضرت تسلیم کیا ہے بطور نمونہ چند ملاحظہ ہوں:

(۱)۔ تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، از محمد صادق قصوری، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری۔
(۲)۔ خلفائے محدث بریلوی، از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مشمولہ لمعات خلفائے اعلیٰ حضرت۔
(۳)۔ خلفائے امام احمد رضا، از علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری۔
(۴)۔ اشرف عرب، از سید نجم الحسن۔
(۵)۔ تذکرہ علمائے اہل سنت، از محمود احمد قادری۔
(۶)۔ تحریک پاکستان میں خلفائے امام احمد رضا کا کردار (مقالہ پی، ایچ، ڈی)، از ڈاکٹر حسن امام۔
(۷)۔ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے معاصر علمائے اہل سنت کی علمی و ادبی خدمات، از ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم۔
(۸)۔ باغی ہندوستان، از عبدالشاہد خان شروانی۔
(۹)۔ فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد، از مولانا عبدالغفار اعظمی۔
(۱۰)۔ علم تصوف اور اعلیٰ حضرت، از پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری۔
(۱۱)۔ امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر، از یٰسین اختر مصباحی۔
(۱۲)۔ سوانح اعلیٰ حضرت، از مولانا بدرالدین رضوی۔ وغیرہ وغیرہ

ان محققین کے دعویٰ نسبت خلافت سے صدیقی صاحب کا انکار نسبت خلافت پر مبنی باطل اور مسترد قرار پاتا ہے۔ یہاں ایک اور بات ذہن نشین رہے کہ آپ کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری کے یہاں حضرت سلیمان اشرف کی نسبت خلافت کا ذکر معدوم ضرور ہے اس کے باوجود انہوں نے نسبت خلافت کے انکار کا بے باکی سے نہیں کہا جب سوانح نگار نے اعلیٰ حضرت سے نسبت خلافت کا انکار نہیں کیا تو موصوف کو کس طرح زیب دیتا ہے کہ وہ سوانح نگار کو بنیاد بنا کر نسبت خلافت اعلیٰ حضرت کا انکار کریں۔

چوتھا مفروضہ:

مولانا نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی مرکزی درس گاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس و تدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر ان کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے انہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تنزیل صاحب کی کم علمی کا ازالہ سید صاحب کے کسی شاگرد کی شہادت پیش کر کے دور کر دیا جائے۔ چنانچہ دیکھئے:

سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی جنہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں سید صاحب کے سامنے دو زانوے تلمذ طے کئے آپ لکھتے ہیں۔

راقم الحروف کے استاد مولانا سید سلیمان اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ حضرت مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ تھے۔(۲)

اسی طرح سید صاحب کے ایک اور شاگرد ڈاکٹر سید عابد احمد علی بھی اپنے استاد مولانا سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ قرار دیتے ہیں۔(۳)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ شعبہ عربی کے سابق ریڈر ڈاکٹر عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: "جرأت وبے باکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے کسی کے علم وفضل یا وجاہت واقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت خلافت کی شہادت دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "آپ عارف باللہ مولانا نور احمد اصدقی دہلوی کے مرید بھی اور چشتی نظامی سلسلے سے منسلک تھے آپ صرف ایک عالم دین ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں صاحب دِل بزرگ بھی تھے اور آپ کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے خلافت حاصل تھی۔(۴)

واضح رہے کہ فتاویٰ رضویہ کی کئی جلدوں میں محدث بریلوی کے نام پروفیسر سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے کئی خطوط استفتاؤں کی شکل میں موجود ہیں بطور شہادت صرف جلد ہشتم صفحہ 105 پر آرائش مسجد سے متعلق سید صاحب کے ایک استفتاء کی عبارت ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۱۱۵۹: از علی گڑھ کالج مسؤلہ حضرت مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات، خلیفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ، ۱۳۳۲ھ۔

فتاویٰ رضویہ کے اس مستند حوالے سے بھی یہ حقیقت پائے تکمیل کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف کو اعلیٰ حضرت سے شرف خلافت حاصل تھا۔

موصوف کے اس گمراہ کن مفروضے کی قلعی مذکورہ مستند شہادتوں سے کھل جاتی ہے اور ان حقائق کی روشنی میں ان کا قائم کردہ مفروضہ مسترد ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ پروفیسر سید سلیمان اشرف اعلیٰ حضرت کے خلیفہ تھے۔

محمد تنزیل نے دعویٰ انکار نسبت خلافت تو کیا مگر بنیادی ذرائع (Primary Source) سے پیش کرنے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ جو کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے موصوف اُن کی کسی ایک کتاب میں اس امر کی تردید پیش کر دیتے کہ بعض اہل علم نے بربنائے عقیدت مجھے فاضل بریلوی کے اجلہ خلفاء میں محسوب کیا ہے میں فاضل بریلوی کا عقیدت مند ہوں خلیفہ نہیں اسی، تناظر میں اعلیٰ حضرت کی کوئی عبارت پیش کر دیتے کہ بعض اہل علم نے بربنائے عقیدت مولانا سید سلیمان اشرف کو میرے اجلہ خلفا میں محسوب کیا ہے جبکہ وہ میرے عقیدت مند ہیں خلیفہ نہیں اسی طرح موصوف سید صاحب کے کسی شاگرد ومعاصر کی شہادت پیش کر دیتے کہ سید صاحب خلیفہ اعلیٰ حضرت نہیں اگر صدیقی صاحب انکار نسبت کی شہادت ان حوالوں سے لکھ دیتے تو یقیناً اس مقالے کو تحریر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ پس ثابت ہوا کہ تنزیل صاحب کا انکار نسبت خلافت غلط باطل اور گمراہ کن ہے۔

صاحب مضمون نے دانستہ یا نادانستہ تلمذ اور خلافت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جو کہ ایک سنگین علمی لغزش ہے اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سید سلیمان اشرف محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد نہیں، تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی کب کیا گیا کہ سید سلیمان اشرف محدث بریلوی کے تلمیذ ہیں؟ کیوں کہ ہماری معرفت کی حد تک کہیں بھی کسی معتبر حوالے میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمیذ حاصل رہا۔

چنانچہ موصوف کی شرف تلمیذ کے انکار والی بات بھی محض "کرشمہ قیاس آرائی" ہی قرار دی جاسکتی ہے۔

عقائد و نظریات اور اہلِ علم سے باہمی تعلقات:

جہاں تک پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب ﷫ کی ہر دلعزیزی اور دیگر مکتبہ فکر کے افراد سے مراسم و تعلقات کا معاملہ ہے تو اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ پروفیسر صاحب ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ، ہم عصر علماء اور اہل علم و دانش میں یکساں مقبول تھے۔ ہر طبقہ فکر کے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ دوسری طرف خود سیّد صاحب بھی اپنے نقطہ نظر کے مخالف اہلِ علم سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اُن کے حلقۂ احباب میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کا مسلکاً آپ سے شدید اختلاف تھا۔ جیسے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاد اور ناظم دینیات مولانا ابو بکر شیث جن کا مسلک وعقیدہ ہی نہیں سیاسی تعلق (مولانا جمعیۃ العلماء کے رکن اور اُس کے اجلاس میں پابندی سے شرکت کرتے تھے) بھی سیّد سلیمان اشرف ﷫ کے مسلک اور سیاسی نظریے سے قطعاً جدا تھا۔

لیکن اِس کے باوجود وہ علمی اعتبار سے سیّد صاحب کی نظر میں "بے نظیر آدمی" تھے اور اُن کے مصاحبین میں شامل تھے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مطابق "بایں ہمہ مختلف الخیال لوگوں سے بقول اُن کے کھاتہ کھلا ہوا تھا۔ خانقاہِ سلیمانیہ کے مقربین میں محمد اکرام اللہ خاں ندوی، مولانا ابو بکر صاحب، محمد مقتدیٰ خاں شروانی، نواب صدر یار جنگ بہادر، سیّد زین الدین صاحب تھے۔ باہر والوں میں مولوی ابو الحسن صاحب، سیّد بہاؤ الدین صاحب کو یہ امتیاز حاصل تھا۔"(۵)

دوسرے مکاتیبِ فکر کے اہل علم کے ساتھ سیّد صاحب کا یہ تعلق ورابطہ محض علمی فضل کی بناء پر تھا۔ مسلک اور عقیدے کی بنیاد پر نہیں۔ چنانچہ اِس کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کے شاگرد حافظ غلام غوث صمدانی لکھتے ہیں۔ "مولانا صاحب علم کی وقعت خود بھی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی عزت کرنے کیلئے کہتے تھے۔"(۶) جبکہ آپ کے ایک اور شاگرد مولانا ابرار حسین فاروقی ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱۵، صفحہ ۱۳۰ پر یہی بات کچھ اِس انداز سے لکھتے ہیں کہ " وہ کسی کے علم و دولت کے آگے جھکنا جانتے ہی نہ تھے لیکن اہل فضل و کمال کی بڑی قدر کرتے تھے۔"

لہٰذا سیّد سلیمان اشرف صاحب ﷫ کی اس وسعت قلبی کو علم دوستی اور اہل علم کی قدر و منزلت کا نام دیا جاسکتا ہے جو کہ مسلم یونیورسٹی میں اُن کے منصب کا تقاضہ اور علی گڑھ کے علمی وادبی ماحول کا خاصہ تھا۔ اِس علم دوست رواداری رویّے کو سلامت روی اور وسیع المشربی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اِس مقام پر وسیع المشربی اور صلح کلی کے فرق کو واضح کرنا بہت ضروری ہے کفار و مشرکین اور اپنے مخالف عقائد و نظریات رکھنے والوں سے کسی تعصب کے بغیر اعلیٰ اخلاق رواداری صلہ رحمی اور تالیف قلب کا مظاہرہ وسیع المشربی کے دائرے میں آتا ہے اسلام اس کی اجازت دیتا ہے خود نبی کریم ﷺ کی جو رحمۃ اللعالمین بن کر تشریف لائے آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کئے اور میثاق مدینہ کے ذریعے جو عملی مثال قائم کی دنیا اُس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام علماء صالحین اور صوفیائے کرام (جنھوں نے اپنے حسن سلوک اور وسیع المشربی سے غیروں کے دل موم کئے) کی زندگیاں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سب مواسات یا مدارات یا معاملات کی ہی صورتیں ہیں جس موالات و قلبی دوستی و تعظیم سے منع کیا گیا ہے وہ نہ تھی۔ جبکہ صلح کلیت یہ ہے کہ اہلسنت کے ساتھ ساتھ تمام باطل عقائد و نظریات کے حامل فرقوں کو بھی حق پر سمجھا جائے خیال رہے کہ اسلام تین تعلقات یعنی مواسات، مدارات اور معاملات کی اجازت دیتا ہے لیکن موالات سے منع کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ معاملات اور موالات کا فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں بلاشبہ کافر و مشرک سے مرد مومن موالات نہیں کرسکتا۔ کفر ظلمت، شرک نجاست اور اسلام وایمان نور وطہارت کا نام ہے۔ نور کا ظلمت سے یارانہ کیا توحید کا شرک سے دوستانہ کیا؟..... لیکن، ہمیں اللہ ورسول نے ترک معاملات کا تو حکم کہیں نہیں دیا ہے۔

چنانچہ سید سلیمان اشرفؒ کا طرز عمل مواسات، مدارات اور معاملات کے ضمن میں لیا جاسکتا ہے سید صاحب نے ہمیشہ اپنے عقائد ومعتقدات پر کاربند رہتے ہوئے ہر طبقۂ فکر کے اہل علم ودانش سے تعلقات رکھے عصر حاضر میں اس کی عملی مثال قائد ملت اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی ذات ہے، جنھوں نے اپنے عقیدے ونظریے پر سختی سے کاربند رہتے ہوئے مختلف مکاتیب فکر سے نہ صرف تعلقات روا رکھے بلکہ ان کی سربراہی بھی سرانجام دی۔

صاحب مضمون نے سید صاحب کے اس طرز عمل کو سلامت روی اور وسیع المشربی سے تعبیر کیا۔ بات اگر یہیں تک محدود رہتی تو اس تناظر میں درست تھی کہ اس میں سید صاحب کی کیا تخصیص یہ تو اہل ایمان کا طریقہ رہا اور اکابرین وصالحین اور صوفیا کرام اس پر گامزن رہے لیکن موصوف نے اپنے مضمون کے آخری حصے میں کتاب کے ناشر کی تعریف کرتے ہوئے ظہورالدین امر تسری کے ساتھ ساتھ مولانا سید سلیمان اشرفؒ پر بھی صلح کلی کا الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں **"مولانا سلیمان اشرف سے اُن (ظہورالدین) کو گہری قلبی وابستگی ہے یہ مولانا سلیمان کی" روحانی جلالت "ہی کہیے کہ اپنے روحانی استاد (مولانا سلیمان اشرف) کی طرح اُن (ظہورالدین) کا مسلک بھی صلح کل ہے۔"(۷)**

یہاں اپنی ذات سے منسوب صلح کلیت کی بہتر وضاحت تو ظہورالدین امر تسری صاحب ہی کرسکتے ہیں لیکن جہاں تک سید سلیمان اشرف صاحبؒ کا معاملہ ہے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مولانا کا دامن صلح کلیت سے ہمیشہ پاک رہا۔ ان کے کسی عمل اور تحریر سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے باطل عقائد ونظریات کے حاملین کو اہلسنت کی طرح حق سمجھا خود موصوف نے اس بات کی کوئی سند اور دلیل پیش نہیں کی۔

جبکہ تحقیق کی اخلاقیات اور دیانت داری کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جو بھی نیا خیال نکتہ یا واقعہ کہیں سے یا کسی سے اخذ کیا جائے یا جس ماخذ سے استفادہ کیا جائے اس کا مکمل حوالہ دیا جاتا تاکہ صاحب تحریر کے مطالعہ کی وسعت جستجو کی نوعیت اور علمی دیانت داری کا ثبوت ملتا مگر موصوف نے اس سے عمداً یا سہواً گریز کیا جو اصول تحقیق کی روشنی میں دعویٰ بے سند اور محض جھوٹ وبہتان عظیم ہے۔

یہاں حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ ایک طرف خود موصوف سید صاحب کے مسلک کو مسلک اعلیٰ حضرت کے عین مطابق قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف انہیں صلح کل لکھتے ہوئے اپنی ہی بات کی نفی بھی کرتے یہ فکری تضاد ہے بیک وقت دونوں باتیں درست نہیں ہوسکتیں۔

لہٰذا موصوف کا سیّد صاحب کو صلح کل قرار دینا جہاں صریحاً دروغ گوئی اور علمی بدیانتی پر مبنی ہے، وہیں یہ تاریخی حقائق کو مسخ کرکے اُن کی ذات وکردار کو متنازعہ بنانے کی بھی ایک ایسی مذموم کوشش ہے، جس کا مقصد شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کو جنم دے کر سیّد محمد سلمان اشرف بہاریؒ کے کردار وعمل کو مشکوک بنانا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس مقام پر سیّد محمد سلیمان اشرفؒ کے معتقدات اور اہل علم سے باہمی روابط کے ضمن میں بھی کچھ تاریخی حوالوں کا مختصر اً جائزہ لیا جائے اور دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ وہ کیا منظر نامہ پیش کررہے ہیں۔

سیّد سلیمان ندوی، سیّد محمد سلیمان اشرف کے ہم عصروں میں سے ہیں۔ سیّد صاحب کے انتقال پر اُنہوں نے ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ "معارف" علی گڑھ میں شائع ہوا۔ اِس مضمون میں سیّد سلیمان ندوی، سیّد صاحب کی سیرت و کردار کو شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اُن کے مذہبی اعتقادات کو یوں بیان کرتے ہیں "اُن کے مذہبی خیالات

علمائے بریلی کے مطابق تھے اور اُن (محدث بریلوی) کے بڑے مداح تھے۔ پھر بھی اُن کی ملاقات اور میل جول ہر خیال کے لوگوں سے تھا۔" (۸)

نواب مشتاق احمد خاں بھی سیّد محمد سلیمان اشرف کے ہم عصر ہیں، آپ سیّد صاحب کے مذہبی رجحانات اور معتقدات کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ "مولانا اپنے مذہبی عقائد میں بڑے پکے تھے اور اُن کا اظہار بڑے بیباکانہ طریقے سے کرتے تھے۔ اسلام کے ناموس کی حفاظت کیلئے وہ ہر وقت آمادۂ جہاد رہتے تھے۔" (۹) یعنی

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

صرف یہی نہیں، بلکہ سیّد صاحب اپنے مذہبی معتقدات میں بڑے متصلّب تھے اور جب مذہبی گفتگو ہوتی تو جلال میں آجاتے۔ چنانچہ اُن کے عزیز ترین شاگرد پروفیسر رشید احمد صدیقی اُن کے اِس جذبہ ایمانی کے بارے میں لکھتے ہیں "میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہیں پایا ...... مرعوب ہونا جانتے ہی نہ تھے۔ کسی کے علم سے نہ کسی کی دولت سے۔ نہ کسی کے اقتدار سے۔ مذہبی عقائد میں کٹر، سلوک میں بے لوث، جو جتنا چھوٹا ہوتا اُس سے اُتنی ہی فروتنی سے ملتے۔ بڑا ہوتا تو اُس سے کہیں اور بڑا ہو کر ملتے۔ علم کا وقار اُن کے دم سے تھا...... مرحوم مذہبی معتقدات میں بڑا غلو رکھتے تھے اور اظہار کا موقع آتا تو کھلم کھلا اُن کا اعلان بھی کر دیا کرتے تھے...... علم و مذہب پر گفتگو کرتے کرتے ہوئے اکثر جلال میں آجاتے۔ لیکن اِس جلالت کی شان ہی کچھ اور ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ علم و مذہب کے بل پر یا اُن کے ناموس کی حفاظت پر آمادۂ جہاد ہیں۔ (مگر اُس میں) تکبر یا تجبّر کا شائبہ تک نہ ہوتا۔" (۱۰)

یہ بھی درست ہے کہ سیّد سلیمان اشرف ﷫، محدثِ بریلوی ﷫ سے گہری محبت و عقیدت رکھتے تھے اور اُن کی تعلیمات و معتقدات سے بڑے متاثر تھے۔ چنانچہ سیّد صاحب کی محدثِ بریلوی ﷫ سے محبت و عقیدت کو بیان کرتے ہوئے اُن کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی لکھتے ہیں "وہ اپنے معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علوم عقلیہ میں خوش کلامی اور قوتِ بیان میں حضرت مولانا (محدث بریلوی ﷫) کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے۔ غیر اسلامی شعار کی مذمت میں تشدد، کانگریس اور ہندوؤں کی ہم نوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ، مشرکین کو نجس سمجھنا اور اُن کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت روا نہ رکھنا، یہ سب صفات دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں۔" (۱۱)

عظیم آباد کی تہذیبی داستان کے مصنف سیّد بدر الدین احمد کہتے ہیں کہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب ﷫ "اپنے معتقدات کے اظہار میں ذرہ برابر بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ اُن کو اپنے علم اور اپنے ایمان پر کلی اعتماد تھا۔ وہ شک و تشکیک کی منزلوں سے دور ایمان و یقین کی منزلوں میں ہمیشہ رہتے رہے۔ اُن کی ہندوستان کے صاحبانِ علم و فضل سے برابر کی دوستی تھی مگر جہاں اُن علماء میں سے کسی کو لغزش کرتے دیکھتے تو بلا رعایت ٹوک بھی دیتے۔" (۱۲)

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ڈاکٹر عبدالباری سیّد سلیمان اشرف صاحب ﷫ کے حوالے سے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔ جرأت و بیباکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے۔ کسی کے علم و فضل یا وجاہت و اقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔" (۱۳) یہی ڈاکٹر عبدالباری پروفیسر محمد زبیر (ڈائریکٹر پاکستان اسکول آف لائبریرین) کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں "مولانا اپنے نظریات و خیالات کے اظہار میں شمشیر برہنہ تھے۔ ہر

موقع پر بڑی اور چھوٹی شخصیت کے سامنے سچی اور صحیح بات کو بلا تکلف اور برملا کہہ دیتے تھے۔ اُن کی شخصیت میں سنجیدگی، خودداری اور اصول پسندی بڑی انفرادی اور نرالی شان رکھتی تھی۔ اُن کے تبحّر علمی پر جلال و جمال کے اتنے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جنھیں موصوف کا مزاج شناس ہی چھو سکتا ہے۔"(۱۴) "وہ اپنے دینی مسلک اور دینوی معاملات میں اپنے پسندیدہ اُصولوں سے ذرّہ برابر بھی سر کنارو نہ رکھتے تھے۔"(۱۵)

جناب پروفیسر طلحہ رضوی برق کے مطابق "مولانا سیّد سلیمان اشرف حنفی المذہب، سنّی اور اپنے عقائد میں بہت سخت تھے۔ اُنھیں حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی ؒ سے ایک خاص لگاؤ اور گہری عقیدت و محبت تھی۔(۱۶) جس کا اندازہ "حیات صدر الشریعہ" میں درج اِس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ محدثِ بریلوی کے وصال کے بعد "چہلم کے موقع پر جب مولانا سلیمان اشرف صاحب ؒ علی گڑھ سے آئے تو فرمانے لگے پہلے جب میں کبھی بریلی آتا تھا اور محلہ سوداگراں کی گلی میں گھستا تھا تو وہیں سے مجھے ایک کیفیت محسوس ہوتی تھی جس کا اثر قلب و دماغ پر ہوتا اور دل اُس کیفیت سے لطف اندوز ہوتا۔ آج جو اِس گلی میں آیا ہوں تو وہ کیفیت نہیں پاتا ہوں، آج حالت ہی بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ خود ہم لوگوں کو آنے جانے میں اِس قسم کا فرق محسوس ہوتا ہے۔ نمازوں میں جو کیفیت ہوا کرتی تھی وہ نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ اعلیٰ حضرت نہیں پڑھاتے تھے مگر چونکہ اُن کی شرکت رہتی تھی اِس وجہ سے وہ بہت پُر کیف ہوتی تھیں اور دور دور سے لوگ اِس کیلئے جاتے تھے جس کا صرف مقصد یہ ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔(۱۷)

حقیقت یہ ہے کہ "آپ (سیّد سلیمان اشرف ؒ) سوادِ اعظم اہلسنّت و جماعت کے بلند پایہ مفکر و مدبر عالم دین تھے۔ عقائد و معمولات اہلسنّت کے مکمل پابند ہی نہیں بلکہ اُن کے داعی و مبلغ و ترجمان بھی تھے۔ دینی و فکری اصابت و استقامت اور حق گوئی آپ کا طرّہ امتیاز تھا۔"(۱۸) پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف ؒ اپنے معتقدات کے اظہار میں پُر اعتماد اور حق بات کہنے والے "مذہباً حنفی اور مشرباً چشتی نظامی"(۱۹) بزرگ تھے۔ وہ محدثِ بریلوی سے محبت و عقیدت نہیں خلافت واجازت بھی رکھتے تھے۔ اور اُن کا "دینی و سیاسی مسلک مولانا احمد رضا بریلوی ؒ کے مسلک کے مطابق تھا۔" (۲۰) جس پر وہ زندگی بھر سختی کے ساتھ گامزن رہے۔

اِس کے باوجود پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف ؒ کا زندگی بھر یہ طرزِ عمل رہا کہ ہمیشہ اُن کلمات کو دہرانے سے اجتناب برتا جن سے بدمزگی اور مزید پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ سیّد صاحب نے کبھی بھی خود سے کسی بحث و مباحثہ میں اُلجھنے اور مناظرہ کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ اور اپنے شدید ترین مخالفین اور مناظرے و مباحلے کی دعوت دینے والوں سے بھی یہ کہہ کر حتیٰ الامکان گریز کیا کرتے تھے کہ "الحمد للہ کہ ساری عمر اِس سے محفوظ رہا ہوں۔ آپ تین سو یا تین ہزار یا تین لاکھ اعتراض رکھتے ہوں، تو بسم اللہ بصد شوق لکھیئے، چھاپیئے، تقسیم کیجئے۔ اپنی ذہانت و ذکاوت اپنے تبحر علم و فضل کا خراج تحسین وصول فرمایئے، فقیر سے مخاطب ہونا فضول ہے۔ آئندہ اِس قسم کی تحریروں کا جواب محض سکوت ہوگا۔ ہاں آپ کو اختیارِ کامل ہے کہ فقیر کے سکوت کو جن الفاظ و عبارات میں چاہیں اخبارات میں بھیجیں، جرائد میں شائع فرمائیں، نہ اِس کا گلہ نہ شکوہ۔"(۲۱)

چنانچہ ذیل میں حافظ غلام غوث صدانی صاحب کا بیان کیا ہوا واقعہ اُن کے اِسی طرزِ عمل کا عکاس کہ آپ نہ صرف خود اپنے مخالفین سے اُلجھنے اور بحث و مباحثہ کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ اپنے محبین کو بھی اِس عمل سے روکتے تھے۔ دیکھئے حافظ صاحب لکھتے ہیں "مرزا ابراہیم بیگ اپنے اخبار سرگزشت میں ہر ہفتہ "نقشِ سلیمانی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھتے جس میں مولانا (سیّد سلیمان اشرف) پر خوب لے دے کی جاتی۔ مولانا کے معتقدین میں سے ایک صاحب نے مولانا سے اجازت چاہی کہ اِس بکواس کا جواب دیا جائے، مگر مولانا نے منع فرما دیا اور کہا

تلوار کی جنگ ہو یا قلم کی، بہادروں سے لڑی جاتی ہے، بیسواں سے نہیں۔ یہ خبر مرزا صاحب تک کسی نے پہنچادی اُس کے بعد سے " نقش سلیمانی" ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔"(۲۲)

قارئین محترم! مندرجہ بالا حوالوں سے پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب﵀ کے ایمانی معتقدات، دینی و سیاسی اور مسلکی وابستگی کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے۔ جہاں تک اُن کے دیگر مکتبہ فکر کے اہل علم ودانش کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ بات طے ہے کہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے روابط بہت وسیع تھے اور اُن کے حلقۂ احباب میں مختلف مکاتیبِ فکر کے لوگ شامل تھے۔ بقول علامہ اقبال﵀:

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مری کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

چنانچہ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں "مرحوم کی ایسوں ایسوں سے بھی گہری دوستی تھی جن کو دین ومذہب سے دور کا بھی سروکار نہیں (تھا) اور ایسوں سے بھی تھی جو اپنے وقت کے بڑے جید عالم دین سمجھے جاتے تھے۔ ہر شخص محبت و احترام کے جذبات لے کر آتا تھا اور مطمئن ومسرور واپس جاتا۔ جس سے طبیعت نہ ملتی کبھی اس کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ مرحوم کی صحبتوں میں بیٹھ سکے۔ مرحوم اِس معاملے میں بڑے کھرے تھے، کبھی دنیا سازی کی خاطر کسی کی تالیفِ قلب نہ کی۔"(۲۳) سیّد سلیمان اشرف﵀ کے ایک اور شاگرد مولانا ابرار حسین فاروقی فرماتے ہیں "مولانائے ممدوح کے تعلقات و روابط اپنے معاصرین سے خواہ وہ کسی مذہب وملت کے ہوں اور حکام دارالعلوم سے ہمیشہ خوشگوار رہے۔"(۲۴)

سید بدرالدین احمد "عظیم آباد کی تہذیبی داستان میں رقمطراز ہیں کہ "مولانا اگرچہ علی گڑھ کالج میں دینیات کے پروفیسر تھے مگر پوری یونیورسٹی پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ سب سے الگ رہتے تھے مگر لوگ اُن کو اپنے سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہیں نہیں جاتے تھے، مگر اُن کے یہاں معمولی حیثیت کے لوگ بھی، بڑے بڑے تعلقدار بھی، علماء اور فضلاء بھی، سیاسی رہنمایان بھی اور اعلیٰ حکام بھی آتے تھے۔ مولانا سبھوں سے بڑے اخلاق سے ملتے اور اپنی صحبت میں اِس بات کو نمایاں طور پر ملحوظ رکھتے کہ مساوات واخلاق کے ترازو کا پلہ کسی سے ملنے میں کم وبیش نہ ہو۔

وہ حق بین تھے مصلحت بین نہ تھے۔ اِسی لیے حق کے مقابلے میں مصلحت اندیشی کو برابر برُا سمجھتے رہے۔ اُن کی یہی حق بینی اور حق پسندی یونیورسٹی سے باہر اور یونیورسٹی کے اندر ہر معرکے میں اُن کی کامیابی کی دلیلیں تھیں۔ اُن کو اپنے پرانے عقائد اور اپنے اُصولوں پر اعتماد کلی تھا...... اُن کے شناسا اور اُن سے ملنے والے ہزاروں تھے۔ مگر اُن کی ہر ایک سے دوستی نہ تھی۔"(۲۵)

قارئین محترم! یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ متذکرہ چند حوالے جو کہ عینی شاہدین کے ذاتی تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہیں، کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب﵀ کے مذہبی معمولات، روایات اور اصول و معتقدات کی جو تصویر بنتی ہے، اُس کے مطابق سیّد سلیمان اشرف صاحب﵀ ایک راسخ العقیدہ سنّی حنفی مسلمان تھے۔ محدث بریلوی﵀ کے خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا دینی وسیاسی مسلک محدثِ بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے عقیدے و نظریے کے اظہار میں جری و بیباک تھے۔ اُنہیں کسی سے ڈرنا، جھجکنا اور گول مول باتیں کرنا سخت ناپسند تھا۔ غیر اسلامی شعار اور اسلام دشمنوں کی حمایتیوں کے سخت مخالف تھے۔ کفار ومشرکین سے کسی قسم کی مداہنت روا رکھنے کے قائل نہیں تھے۔ اور وہ شک و تشکیک کے بجائے ہمیشہ ایمان ویقین کی راہوں کے مسافر رہے۔ اُن کے دیگر مکاتیب فکر کے افراد سے باہمی روابط و تعلقات کے حوالے سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

خلاصۂ کلام:

مندرجہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنزیل الصدیقی کے مضمون میں کہی گئی بات بہت ہی عجیب لگتی ہے۔ موصوف ایک طرف تو سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب ﵀ کو اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑا جری وبیباک اور کسی مخالفت کا پروانہ کرنے والا مجاہد قرار دیتے ہوئے اُن کی اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن دوسری جانب خود ہی سیّد صاحب کا دینی و سیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی ﵀ کے مسلک کے مطابق قرار دیتے ہوئے انھیں صلح کلیت کا حامی بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی دونوں باتیں باہم متصادم اور ایک دوسرے کی نفی کرتی ہیں۔

جناب کی بات سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں جری وبیباک اور کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرنے والا ہو۔ جو معتقدات میں کٹر و متصلب ہو اور ساتھ ہی وہ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے ساتھ اپنا دینی و سیاسی مسلک محدث بریلوی ﵀ کے مسلک کے مطابق رکھتا ہو، اور انھی کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ کیسے صلح کلیت کا حامی ہو سکتا ہے۔؟ کیا محدث بریلوی ﵀ کے ساتھ عقیدت و محبت اور شدت سے وابستگی رکھنے والوں میں ایسی کوئی اچھوتی مثال نظر آتی ہے۔؟

چنانچہ موصوف کی بات کو قبول کرنے سے پہلے دیکھنا ہوگا کہ اُن کے اِس طرزِ استدلال کا، تاریخی حوالہ کیا ہے۔؟ کیا ہم عصر علماء ومشائخ، شاگرد اور عینی شاہدین کے بیانات جو کہ ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں، میں ایسی کوئی روایت موجود ہے۔؟ ماسوائے ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں کے۔ جو مولانا زوّار حسین شاہ (دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے) کے بہت معتقد و مرید تھے اور خود ڈاکٹر صاحب کا اپنا رجحان بھی اسی جانب تھا۔ ہماری معلومات کے مطابق ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں پہلے راوی ہیں جنھوں نے سیّد سلیمان اشرف صاحب ﵀ کے بارے میں لکھا کہ "مولانا گو بریلوی مسلک کے تھے لیکن آج کل کے بریلوی حضرات کی طرح شدت نہیں برتتے تھے۔ وہ ہمیشہ مولانا ابو بکر شیث جونپوری کے پیچھے نماز ادا کرتے جو دیوبندی تھے۔" (۳۶)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اِس بات کا تاریخی ثبوت کیا ہے۔؟ کیا اُن کی اِس بات کی تائید وتوثیق کسی اور ہم عصر حوالے سے ہوتی ہے۔؟ اگر نہیں ہوتی، تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی بات میں کسی مسلکی بغض وعناد کا عنصر کار فرما تو نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے دانستہ سیّد سلیمان اشرف ﵀ کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی ہو۔؟

دستیاب شواہد بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں سب سے پہلے فرد ہیں جنھوں نے سیّد سلیمان اشرف صاحب کی مذہبی رواداری کی بات کی۔ اور اُن کی پیروی کرتے ہوئے غیر مقلد (اہلحدیث) مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے تنزیل الصدیقی الحسینی نے اِس بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے سیّد صاحب کو محدث بریلوی سے حاصل خلافت واجازت کا انکار کیا بلکہ ان کے صلح کل ہونے کا بھی اک نیا شوشہ چھوڑا۔ جو کہ صریحاً خلاف حقیقت اور ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں کی طرح ان کے مذہبی اور مسلکی رجحان اور جھکاؤ کا شاخسانہ معلوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ اِس تضاد بیانی یا مذہبی تعصب و مخاصمت پر کسی تبصرے سے گریز کرتے ہوئے یہاں اِس بات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ مذہبی معتقدات اور باہمی معاملات وتعلقات دو علیحدہ علیحدہ عمل ہیں۔ جن کے درمیان فرق کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر ایک شخص اپنے مذہبی معمولات، روایات اور اصول ومعتقدات پر سختی کے ساتھ عمل پیرا رہتے ہوئے بھی اپنے سے مخالف اعتقاد رکھنے والے فرد یا افراد کے ساتھ سیاسی، سماجی اور معاشرتی تعلقات قائم رکھتا ہے، یا زندگی کے کسی حصے میں حصول علم کیلئے رجوع کرتا ہے تو اِس کا قطعی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ صلح کلیت کا حامی ہے۔

ویسے بھی سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب ﵀ کی کتابِ زندگی گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اپنے ایمانی معتقدات پر

سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ زندگی بھر اِس اصول پر عمل پیرا رہے کہ " اپنے مسلک کو چھوڑو مت اور دوسرے کو چھیڑو مت۔ اگر کوئی چھیڑے تو پھر اُسے چھوڑو مت ۔" اِس بات کی گواہی سیّد سلیمان ندوی "یادِ رفتگاں" کے صفحہ ۱۹۰، پر دیتے ہوئے لکھتے "وہ کسی سے مناظرہ نہیں کرتے تھے اور جب کرتے تھے تو گتھ جاتے تھے۔" سیّد سلیمان ندوی کے خیالات اور دیگر ہم عصروں کی آراء کے علاوہ سیّد صاحب کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی و پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر محمد زبیر، ڈاکٹر طلحہ رضوی اور حافظ غلام غوث صمدانی وغیرہ کی تحاریر گواہ ہیں کہ سیّد سلیمان اشرف ﷫ کے مذہبی معتقدات کیا تھے۔ لہٰذا

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل واہ کرے کوئی

اِس کے باوجود اگر اُن کے دیگر مکتبہ فکر کے افراد کے ساتھ تعلقات تھے تو اُس کی بنیادی وجہ علم و فضل کا احترام تھا اور اُن کے یہ باہمی تعلقات اِسی جذبے کے تحت تھے۔ اور انہوں نے ہمیشہ اپنے معتقدات کی بناء پر مذہبی مخاصمت اور تنگ نظری سے گریز کرتے ہوئے ایک مہذب اور علم دوست انسان ہونے کا ثبوت دیا۔

اِس حقیقت کو اچھی جاننے کے باوجود تنزیل الصدیقی الحسنی نے دیدہ و دانستہ معتقدات اور باہمی معاملات کو آپس میں گڈ مڈ کرتے ہوئے سیّد صاحب پر صلح کلیت کا بہتان لگایا اور ساتھ ہی محدث بریلوی ﷫ سے حاصل ان کی خلافت پر بھی سوال کھڑا کیا۔ جس کا پس پردہ مقصد عوام الناس اور سیّد صاحب کے محبین کے ذہنوں میں غلط فہمی اور شکوک و شبہات کی فضا پیدا کر کے اُن کی ذات کو مشکوک بنانے کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ چنانچہ اس تناظر میں تنزیل الصدیقی صاحب کا یہ طرزِ عمل نہ صرف دیانتدارانہ تحقیق کے تقاضوں کے خلاف ہے بلکہ دینی و شرعی اُصولوں کے بھی صریحاً منافی ہے۔

آخر میں یہ حقیقت بھی مدِ نظر رہے کہ تاریخ میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ محدث بریلوی ﷫ کے ماننے والے اور ان کے خلفاء بالخصوص پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کبھی بھی صلح کلیت کے حامی رہے ہوں یا انہوں نے کسی گستاخِ رسول اور مخالفین دین و ملت سے باہمی تعلقات میں لحاظ و مروّت اور محبت و رواداری کا مظاہرہ کر کے دین اسلام کے متعین کردہ اصول و قواعد سے انحراف کیا ہو۔ تمام خلفائے محدث بریلوی اور پروفیسر سیّد سلیمان اشرف بہاری ﷫ کا طرزِ عمل تو یہ تھا کہ "اُس دورِ پُرفتن میں جب کہ ہر طرف سے اسلام پر اور خصوصاً ائمہ تقلید اربعہ پر یلغار ہو رہی تھی اور نام نہاد علماء کا ایک طبقہ مقامِ مصطفیٰ ﷺ کو نعوذ باللہ گھٹانے کی فکر میں صبح و شام مصروفِ عمل تھا۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف ﷫ بلا کم و کاست اور بغیر مصلحت نہ صرف اُن کے خلاف سینہ سپر تھے، بلکہ فقہ حنفی کے متصلّب پیروکار بھی تھے۔"(۲۷) اور اُن کا طرزِ زندگی علامہ اقبال ﷫ کے اِس شعر کی مصداق تھا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ظہور الدین امر تسری صاحب سے ایک گزارش:

آخر میں جناب ظہور الدین امر تسری صاحب (جو پاکستان میں سیّد سلیمان اشرف ﷫ کے چاہنے والے اور "سلیمان شناسی" کی روایت کے بانی ہیں) سے صرف اتنی گزارش ہے کہ کسی ایسے شخص کی تحریر، جو اپنے مذہبی اور سیاسی معتقدات میں سیّد سلیمان اشرف یا کسی اور اکابر اہلسنت سے اختلاف رکھتا ہو، کو شامل کتاب کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھیں کہ صاحب مضمون نے انصاف اور دیانت داری کے تقاضے پورے کئے بھی ہیں یا نہیں۔ اور کہیں اس نے اپنے کسی بغض و عداوت اور مذہبی مخاصمت کے پیشِ نظر کتاب اور صاحب کتاب کی شخصیت اور کردار و عمل کو متنازعہ بنانے کی کوشش تو نہیں کی۔

اگر محترم ظہور الدین صاحب تنزیل الصدیقی الحسینی کے مضمون "سخن ہائے گفتنی" کو "الخطاب" میں شامل کرنے سے پہلے اُس کے سیاق و سباق اور مرتب ہونے والے اثرات و مضمرات کو پیش نظر رکھ لیتے تو یقیناً اس قسم کی صورتحال جنم نہ لیتی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ظہور الدین صاحب سب سے پہلے اپنے وسیع المشربی اور صُلح کلی ہونے کی وضاحت پیش کریں اور ساتھ ہی آئندہ اس قسم کے غیر محتاط اور غیر ذمہ دارانہ رویئے سے اجتناب کا بھی عہد بھی کریں۔ کیونکہ اس قسم کی کوتاہی سے نہ صرف اُن کی اپنی زندگی بھر کی محنت اور نیک نامی پر حرف آتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی اکابرین اہلسنت کی کردار کشی کا پورا پورا موقع ملتا ہے۔

حوالہ جات:

(۱)۔ دیکھئے مضمون "سخن ہائے گفتنی" مشمولہ، الخطاب، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، طبع جدید اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص: ۸۰۔ ۷۳۔
(۲)۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، بھولی ہوئی کہانیاں، مطبوعہ گایا ایجوکیشنل بکس کراچی، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۱۔
(۳)۔ ڈاکٹر سید عابد احمد علی، مقالات یوم رضا، حصہ سوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۶۔
(۴)۔ ڈاکٹر عبدالباری، مضمون" مولانا سیّد سلیمان اشرف" نامورانِ علی گڑھ، تیسرا کارواں جلد دوم" سہ ماہی فکر و نظر خصوصی شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء، ص: ۷۴۔
(۵)۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گرانمایہ، کتابی دنیا لمیٹیڈ، دہلی، جنوری ۱۹۴۷ء، ص: ۵۵۔
(۶)۔ حافظ غلام غوث صدانی، مضمون "مولانا سیّد سلیمان اشرف اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شروانی کے تعلقات" سہ ماہی العلم کراچی، جلد ۲۳، شمارہ ۲، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء، ص: ۸۳۔
(۷)۔ "سخن ہائے گفتنی" مشمولہ، الخطاب، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، طبع جدید اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص: ۸۱۔ ۸۰۔
(۸)۔ سیّد سلیمان ندوی، شذرات، معارف اعظم گڑھ جون ۱۹۳۹ء، ۴۰۲: یادِ رفتگاں، سیّد سلیمان ندوی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۰۔
(۹)۔ مضمون، نواب مشتاق احمد خان، ضیائے حرم لاہور، جون ۱۹۷۷ء، :۹۳۔
(۱۰)۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گرانمایہ، کتابی دنیا لمیٹیڈ، دہلی، نوری ۱۹۴۷ء، ص: ۵۹۔ ۵۵۔ ۳۴۔ ۲۶۔
(۱۱)۔ ڈاکٹر سید عابد احمد علی، مقالات یوم رضا حصہ سوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۶۔ ۵۔
(۱۲)۔ سیّد بدر الدین احمد، حقیقت بھی کہانی بھی (عظیم آباد کی تہذیبی داستان)، بہار اردو اکیڈمی پٹنہ ۲۰۰۳ء، ص ۳۳۱۔
(۱۳)۔ ڈاکٹر عبدالباری، مضمون" مولانا سیّد سلیمان اشرف" نامورانِ علی گڑھ، تیسرا کارواں جلد دوم" سہ ماہی فکر و نظر خصوصی شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء، ص: ۴۸۔
(۱۴)۔ ایضاً ص: ۴۸۔
(۱۵)۔ پروفیسر محمد زبیر ماہنامہ معارف کراچی، ۱۹۹۲ء، مشمولہ علامہ سیّد سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص: ۱۵۔
(۱۶)۔ نقد و سنجش، داتا پور بہار، ص: ۱۶۳۔ ۱۶۳، مشمولہ علامہ سیّد سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، : ۳۴۔
(۱۷)۔ مفتی عبدالمنان اعظمی، حیات صدر الشریعہ، رضا اکیڈمی لاہور، جون ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۴۔
(۱۸)۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی، سالانہ روشنی، ویشالی ۲۰۱۵ء کا مدارس نمبر ص: ۲۸۸، مشمولہ علامہ سیّد سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص: ۳۵۔
(۱۹)۔ محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہلسنت، کانپور ۱۳۹۱ھ، ص: ۱۰۱۔
(۲۰)۔ محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، مضمون "سخن ہائے گفتنی" مشمولہ، الخطاب، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، طبع جدید اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص: ۷۵۔
(۲۱)۔ مکتوب بنام مولوی محمد حبیب الرحمن صاحب بدایونی، البیان، مطبوعہ وکٹوریہ پریس بدایوں۔ ۱۹۲۱ء، ص: ۴۷۔
(۲۲)۔ حافظ غلام غوث، مضمون "مولانا سیّد سلیمان اشرف اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شروانی کے تعلقات" سہ ماہی العلم کراچی، جلد ۲۳، شمارہ ۲، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء، ص: ۸۳۔
(۲۳)۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گرانمایہ، کتابی دنیا لمیٹیڈ، دہلی، نوری ۱۹۴۷ء، ص: ۲۷۔
(۲۴)۔ معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱۵، ص: ۱۲۵۔
(۲۵)۔ سیّد بدر الدین احمد، عظیم آباد کی تہذیبی داستان، بہار اردو اکیڈمی پٹنہ، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۳۲۔
(۲۶)۔ شخصیات، مرتبہ سید عزیز الرحمان، زوار اکیڈمی کراچی، فروری ۲۰۰۹ء، ص: ۶۳۔
(۲۷)۔ خواجہ رضی حیدر، تذکرہ محدث سورتی، ممبئی، ص: ۲۳۶۔ ۲۳۵۔ مشمولہ علامہ سیّد سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص: ۳۸۔

مسلک اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

الرضا

انٹرنیشنل پٹنہ

مئی، جون ۲۰۱۷ء May, June, 2017

تاج الشریعہ سادات کرام کی نظر میں

تین طلاق کا دینی مسئلہ اور حکومت کا منفی رویہ

- قبولیت حج اور سفر مدینہ منورہ
- قوم میمن کی دینی خدمات پر ایک نظر
- شراب نوشی اور منشیات کے نقصانات
- اتہامات تنزیل الصدیقی پر ایک نظر
- متن قرآن اور ترجمہ کنزالایمان کا عروضی مطالعہ

نواب صدیق حسن بھوپالی
اور درون خانہ کی الجھیاں

”کسی بھی جماعت میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں کچھ عقیدۃً، کچھ ضرورۃً، کچھ حقیقتاً۔ ٹھیک اسی طرح سے اہلسنت میں بھی تین طرح کے لوگ ہیں اور آہستہ آہستہ عوام بھی جاننے لگی ہے ان تینوں اقسام کے لوگوں کو پہچاننے لگی ہے۔ جو ضرورۃً والے ہیں وہ انتشار پر پاگئے ہوئے ہیں اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ حقیقتاً اور عقیدۃً والا طبقہ اپنی ہمت قوت اور صلاحیت کے اعتبار سے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ ضرورۃً والا طبقہ ہر دور میں رہا ہے اور رہے گا، اس کی نسلیں اس قدر منظم ہیں اور ان کے پاس اسباب اتنے ہیں کہ انتشار پھیلانے کی پوری وراثت سنبھال رکھی ہے۔ لیکن یہ خاصہ ہے جماعت اہلسنت کا کہ وہ ہزار مخالفتوں کے باوجود اپنی حقانیت کی بنیاد پر روز اول سے ہی قائم ہے تا قیام قیامت قائم رہے گی۔“

غازئ ملت مولانا غلام رسول بلیاوی سے

سے خصوصی گفتگو

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر امجد رضا امجد

مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

دوماہی

الرّضا

پٹنہ انٹرنیشنل

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

جلد نمبر ۲ — شمارہ نمبر ۹

مئی، جون ۲۰۱۷ء شعبان، رمضان ۱۴۳۸ھ

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دوماہی "الرضا" انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کمپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد

سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9835423434 / 8521889323

ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. Ahmad Publications Pvt. Ltd.
Hira Complex, Qutubuddin Lane, Near Daryapur Masjid,
Sabzibagh, Patna - 4, E-mail: alraza1437@gmail.com,
Contact / Telegram / Whtsapp: 8521889323

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) 9835423434/amjadrazaamjad@gmail.com

پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

بیادگار

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز

بظلِ روحانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ **محمد حامد رضا خاں** قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ **محمد مصطفےٰ رضا نوری** قدس سرہ العزیز

زیر سایۂ کرم

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ الشاہ مفتی **اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری** مدظلہ العالی

بریلی شریف (اتر پردیش)

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ

ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ، گھوسی (اتر پردیش)

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرسالانہ ختم ہو چکا ہے براے کرم اپنا زرسالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

مشمولات

مشمولات

منظومات

اداریہ

تاثرات

تنقید و احتساب

ذکر و فکر

مصاحبات

مطالعہ رضویات

میزان مطالعہ

□□□

اتہامات تنزیل الصدیقی الحسینی پر ایک نظر

پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری

نسبتِ خلافت، عقائد ونظریات اور اہل علم سے باہمی تعلقات کے تناظر میں

محمد احمد ترازی (کراچی)

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل واہ کرے کوئی

"الخطاب" دراصل پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کی ایک یادگار تاریخی تقریر ہے، جو آپ نے ۲۹، دسمبر ۱۹۱۴ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھائیسویں (۲۸) اجلاس منعقدہ راولپنڈی کے ساتویں سیشن میں کی۔ یہ تقریر پہلی بار ۱۹۱۵ء میں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ کے زیر اہتمام کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ اکتوبر ۲۰۱۶ء میں سیّد صاحب کے محب جناب ظہور الدین امرتسری صاحب نے ادارہ پاکستان شناسی لاہور کے تحت اس کی طبع جدید کا اہتمام کیا۔ اور کتاب میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام، اغراض ومقاصد، منعقدہ اجلاس میں منظور ہونے والی قراردادیں و عکسی نوادرات کے ساتھ "حیات مولانا سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں" از: حکیم محمد خلیل احمد القادری الجائسی سابق ریڈر طبیہ کالج علی گڑھ اور خود ظہور الدین صاحب کے اپنے انتخاب "مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح" و "پروفیسر سلیمان اشرف اکابرین ملت کی نظر میں" جیسی مفید ومعلوماتی تحاریر کو جگہ دی۔ ساتھ ہی اُنہوں نے "سخن ہائے گفتنی" کے عنوان سے محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کا ایک قابل اعتراض مضمون بھی شامل کتاب کیا۔ جس میں سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کی ذات وکردار اور نسبتِ خلافت محدث بریلوی کے حوالے سے بہت سی خلاف واقعہ اور غلط باتیں منسوب کر کے قاری کو ذہنی وفکری خلفشار میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی۔

کاش! سیّد صاحب کے محب اور "ادارہ پاکستان شناسی بیاد مولانا سیّد سلیمان اشرف" کے بانی ظہور الدین امرتسری صاحب مضمون کو شامل کتاب کرنے سے پہلے اُس کا بغور مطالعہ فرما کر اثرات ومضمرات کا جائزہ لے لیتے تو انہیں اندازہ ہو جاتا کہ صاحب مضمون نے ایک تیر سے دو شکار کرتے ہوئے کس خوبصورتی سے سیّد سلیمان اشرف صاحب کی شخصیت اور کردار وعمل کو ہی متنازعہ نہیں بنایا بلکہ خود ظہور الدین امرتسری کو بھی وضاحتی کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے۔ خیر اپنی ذات سے منسوب سلامت روی، وسیع المشربی اور صلح کلیت کا بہتر جواب تو ظہور الدین صاحب ہی دے سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے کردار وعمل کا معاملہ ہے، تو بہت ضروری تھا کہ اس تاریخی خیانت اور علمی بددیانتی کا جائزہ لیا جائے اور صاحب مضمون کی خلاف حقیقت اور گمراہ کن باتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے تاریخی حقائق کی روشنی میں اُن کی درست تصویر عوام الناس کے سامنے پیش کی جائے۔ چنانچہ اس جائزے سے قبل صاحب مضمون کا ایک مختصر سا تعارف پیش نظر کیا جاتا ہے تاکہ اصل صورتحال اور حقائق کے ادراک میں آسانی رہے۔

صاحبِ مضمون کا مختصر تعارف:

صاحب مضمون کا اصل نام محمد تنزیل ہے، مگر محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء کو پیدا ہونے والے محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، غیر مقلد محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی (۱۹۹۵ء۔ ۱۹۲۱ء) کے صاحبزادے ہیں۔ خود بھی مسلکاً اہل حدیث (غیر مقلد) مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ موصوف کراچی سے شائع ہونے والے مجلہ "الواقعہ" کے مدیر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

"سخن ہائے گفتنی" کے سنگین الزامات:

اس مختصر تعارف کے بعد محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے مضمون "سخن ہائے گفتنی" کی طرف آتے ہیں جس میں وہ سیّد

صاحب کی نسبتِ خلافت محدث بریلوی کی نفی کرتے ہوئے اُن پر صلح کلی اور وسیع المشربی ہونے کا سنگین الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں

"اس غلط العام خیال کی تردید ضروری ہے کہ مولانا سلیمان اشرف، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تلمیذ وخلیفہ تھے۔ بعض اہل علم نے بر بنائے عقیدت مولانا سلیمان اشرف کو فاضل بریلوی کے اَجلہ خلفاء میں محسوب کیا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مولانا سلیمان کو فاضل بریلوی سے شدید عقیدت تھی مگر یہ تعلق عقیدت و ارادت تلمذ وخلافت کی نسبت کے بغیر تھا۔ خود مولانا بریلوی نے "ذکر احباب ودعاء احباب" کے عنوان سے اپنے خلفاء کے ناموں کو منظوم کیا ہے جس میں اپنے چودہ (۱۴) اکابر خلفا کے نام درج کیے ہیں، اُن میں مولانا سلیمان کا نام شامل نہیں۔ اسی طرح جب مختلف حضرات نے خود کو مولانا بریلوی کا تلمیذ رشید وخلیفہ ارشد باور کرانا شروع کیا، تو مولانا بریلوی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان جعلی خلفاؤں سے اظہار برأت کی جائے، لہٰذا اُنھوں نے ضروری اعلان کے تحت ایک اشتہار شائع کرایا جس میں اپنے پچاس (۵۰) خلفاء کے نام درج کیے، اُن میں بھی مولانا سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں۔ اگر مولانا سلیمان فاضل بریلوی کے خلیفہ ہوتے تو کیا ممکن تھا کہ انہیں نظر انداز کر دیا جاتا۔؟

مولانا نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی مرکزی درسگاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس وتدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر اُن کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے انہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا، حتیٰ کہ مولانا کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب "حیات وکارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری" میں مولانا بریلوی سے اُن کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر اُن سے نسبت تلمذ وخلافت کا دعویٰ کوئی نہیں کیا۔ مولانا کی وسیع المشربی نے انہیں ہر طبقے میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ اُن کے مراسم اپنے نقطہ نظر کے مخالف علماء اہل علم کے ساتھ خوشگوار تھے۔ مولانا کا دینی وسیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے باوجود انہوں نے دوسرے مکاتیب فکر کے اہل علم کے ساتھ احترام کا رشتہ کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا...... مولانا اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑے جری وبیباک تھے۔ (اور) کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔" (۱)

نسبتِ تلمذ وخلافتِ محدث بریلوی:

مندرجہ بالا اقتباس سے قاری کے ذہن میں سب سے پہلا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف، محدث بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ نہیں ہیں۔ لوگوں نے انہیں عقیدت کی بناء پر منسوب کر دیا ہے۔ اس بات کی دلیل میں موصوف فرماتے ہیں کہ خود محدث بریلوی نے اپنے جن خلفاء کا تذکرہ کیا ہے اس میں اُن کا نام شامل نہیں ہے۔ جبکہ خود سیّد صاحب کے شاگرد اور معاصرین بھی اس بات کا کہیں اظہار کرتے نظر نہیں آتے۔ اور تو اور مولانا محمد علی اعظم خاں قادری کی سوانحی کتاب میں بھی اُن کی نسبت تلمذ وخلافت کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے۔

چنانچہ اس حوالے سے پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ موصوف نے نسبتِ تلمذ اور خلافت کو ایک جگہ گڈمڈ کر کے دونوں کو غلط العام قرار دیا ہے۔ سمجھ نہیں آتا کہ وہ نسبتِ تلمذ کے انکاری ہیں یا خلافت کے۔ اگر دونوں کی تردید مقصود ہے تو دلائل بھی دونوں کے پیش کرنے چاہیے تھے۔ مگر جناب نے صرف ایک یعنی نفی خلافت کے دلائل پیش کیے، نفی تلمذ سے صرف نظر کیا۔ جبکہ تحقیق کی اخلاقیات اور دیانت داری کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو بھی نیا خیال، نکتہ یا واقعہ کہیں سے یا کسی سے اخذ کیا جائے یا جس ماخذ سے استفادہ کیا جائے، اُس کا مکمل حوالہ دیا جاتا تاکہ صاحب تحریر کے مطالعے کی وسعت، جستجو کی نوعیت اور دیانتداری کا ثبوت ملتا۔ مگر موصوف نے اس سے عمداً یا سہواً گریز کیا۔ جو اصول تحقیق کی روشنی میں "دعویٰ بے سند" نہیں تو اور کیا ہے۔

اس مقام پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صاحب مضمون نے دانستہ یا نادانستہ تلمذ اور خلافت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ جو کہ ایک سنگین علمی لغزش ہے۔ اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیّد سلیمان اشرف محدث بریلوی کے شاگرد نہیں ہیں، تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی کب کیا گیا کہ سیّد

سلیمان اشرف محدث بریلوی کے تلمیذ ہیں۔؟ کیونکہ ہماری معرفت کی حد تک کہیں بھی کسی معتبر حوالے میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ سید سلیمان اشرف کو محدث بریلوی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ چنانچہ موصوف کی شرف تلمذ والی بات محض ''کرشمۂ قیاس آرائی'' ہی قرار دی جاسکتی ہے۔

رہی یہ بات کہ محدث بریلوی نے ''ذکر احباب ودعائے احباب'' میں اپنے جن چودہ (۱۴) خلفاء کا منظوم ذکر کیا ہے، اُس میں سید محمد سلیمان اشرف کا نام نہیں ہے۔ تو عرض ہے کہ خود محدث بریلوی نے ''استمداد'' کے صفحہ نمبر ۷۰ پر پہلے ہی یہ صراحت فرمادی ہے کہ شعر کی تنگ دامانی کی وجہ سے اسمائے احباب میں چھوٹے چھوٹے ناموں پر اقتصار کیا گیا ہے۔ اس لیے نظم یا جاری کردہ فہرست میں سید سلیمان اشرف کا نام درج نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں خلافت حاصل نہیں تھی۔

دوسرے یہ کہ ''الاستمداد'' ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۸ء میں لکھی گئی۔ محدث بریلوی اس کے بعد بھی تقریباً تین سال باحیات رہے۔ اور اُن کا انتقال ۲۵، صفر المظفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۸، اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا۔ کیا اس عرصے میں اُن کے خلفاء کی تعداد میں اضافے کا امکان نہیں۔؟ یقیناً ہے۔ اور اس کا ثبوت اشتہار ''ضروری اعلان'' میں درج پچاس (۵۰) خلفاء کے نام ہیں۔

خیال رہے کہ ''ضروری اعلان'' ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ کو ماہنامہ ''الرضا'' بریلی میں شائع ہوا۔ (۲) عیسوی کلینڈر کے اعتبار سے یہ دسمبر ۱۹۱۹ء کا سال ہے۔ جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ''ضروری اعلان'' کا اشتہار ''استمداد'' کے بعد شائع ہوا۔ اور اس اشتہار کی اشاعت کے بعد بھی محدث بریلوی کم وبیش دو سال حیات رہے۔ چنانچہ منظوم نظم ''استمداد'' اور ''ضروری اعلان'' کے اشتہار سے کسی طور بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس اعلان کے بعد محدث بریلوی نے کسی کو خلافت عطا نہیں فرمائی۔

پھر ضروری اعلان کے حوالے سے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس اعلان کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جب کچھ افراد نے اپنے آپ کو محدث بریلوی کا خلیفہ بنا کر عوام الناس کے اعتماد کو مجروح کرنے کی کوشش کی تو اُس وقت جتنے خلفاء کے نام آپ کے ذہن میں آئے، آپ نے اُن کی ایک فہرست اور ''ضروری اعلان'' کے نام سے اشتہار میں اُن خلفاء کا مختصر تذکرہ کرکے اس بات کی نشاندہی کردی کہ میرے خلفاء کون کون ہیں۔'' آخر میں یہ بھی لکھا کہ جن کے نام یہاں لکھنے سے رہ گئے ہیں اُن کو آئندہ فہرست میں شامل کرلیا جائے گا۔'' (۳)

لیکن تنزیل الصدیقی نے اس حقیقت کو دانستہ نظر انداز کرکے علمی خیانت کا ثبوت دیا اور سیاق وسباق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ چونکہ ''ضروری اعلان'' میں سید سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں، اس لیے وہ محدث بریلوی کے خلیفہ نہیں ہیں۔ حالانکہ محدث بریلوی کی واضح صراحت موجود ہے کہ یہ فہرست ابھی نامکمل ہے اور بہت سے خلفاء کے نام رہ گئے ہیں۔ جبکہ خود محدث بریلوی نے اپنی دی ہوئی فہرست میں حرمین شریفین کے خلفاء کا تذکرہ نہیں کیا، جن کی تعداد کم وبیش اٹھائیس (۲۸) یا پینتیس (۳۵) کے قریب ہے۔

چنانچہ اس تناظر میں یہ دونوں فہرستیں حتمی نہیں کہی جاسکتیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ محدث بریلوی کے صرف چودہ (۱۴) یا پچاس (۵۰) خلفاء تھے، یا ان چودہ (۱۴) یا پچاس (۵۰) خلفاء میں سید سلیمان اشرف کا نام درج نہیں، اس لیے وہ محدث بریلوی کے خلفاء میں شامل نہیں ہیں، قطعاً غلط قرار پاتا ہے۔

ڈاکٹر مجید اللہ قادری ''تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں لکھتے ہیں ''اعلیٰ حضرت کے خلفاء کی صحیح تعداد کا تعین تو نہیں کیا جاسکتا، لیکن قرین قیاس ہے یہ تعداد سو (۱۰۰) سے اوپر تجاوز کرتی ہے۔.....ہم یہ تعداد اسی (۸۰) تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے.....پھر بھی تعداد کا صحیح تعین ممکن نہیں ہے۔'' (۴) کیونکہ محدث بریلوی کے خلفاء نہ صرف برصغیر پاک وہند سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ عرب وافریقہ کے بلاد میں بھی اُن کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر مجید اللہ قادری اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳ پر لکھتے ہیں کہ ''اس تذکرہ میں ۸۰، خلفاء کا ذکر کیا جارہا ہے جن کے حالات وافکار وخدمات کا سراغ لگایا جاسکا، مگر ۲۵۔۳۰ سے زیادہ نام علم میں آئے ہیں کہ اُن کو اعلیٰ حضرت سے خلافت حاصل رہی، مگر اُن کے حالات یا تو قطعی میسر نہ ہوسکے اور اگر حالات میسر ہوئے بھی تو اُن کی خلافت پر شواہد زیادہ حاصل نہ ہوسکے، جس کی وجہ سے کئی اہم اور معروف شخصیات کو ان خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکا۔'' صفحہ ۱۴، پر مزید لکھتے ہیں کہ ''تذکرہ میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ ماخذ ومراجع مستند ہوں۔

چنانچہ جتنے بھی معروف ومستند تذکرے حاصل کیے جاسکتے

تھے، اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔" اس احتیاط اور اہتمام کے بعد مرتبین محمد صادق قصوری اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے سیّد سلیمان اشرف کا تذکرہ شامل کتاب ہے، کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ سیّد صاحب کی خلافت پر اُنہیں اطمینان بخش شواہد حاصل ہوئے ہیں۔

اسی طرح "خلفائے محدث بریلوی" از: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد میں "لمعات خلفائے اعلیٰ حضرت" کے عنوان سے مقدمہ میں محمد عبدالستار طاہر لکھتے ہیں کہ "حرمین شریفین کے علاوہ پاک و ہند میں بھی فاضل بریلوی کے بکثرت خلفاء ہیں۔" آگے اسمائے گرامی کا ذکر کرتے ہوئے "پروفیسر سیّد سلیمان اشرف بہاری کو محدث بریلوی کے خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔"(۵) جبکہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب بھی رئیس المتکلمین مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کو محدث بریلوی کے خلفاء میں شامل فرماتے ہیں۔(۶)

اس کے علاوہ "خلفائے اعلیٰ حضرت" از: پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد "حیات اعلیٰ حضرت" از: مولانا ظفر الدین بہاری "امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں" از: یٰسین اختر مصباحی "امام احمد رضا اور اصلاح معاشرہ" از: مولانا محمد قمر الزماں رضوی مصباحی "سوانح اعلیٰ حضرت" از: مولانا بدر الدین احمد رضوی اور "سیرت امام احمد رضا" از: مولانا اختر شاہجہانپوری وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ محدث بریلوی کے خلفاء کی تعداد سو (۱۰۰) سے زائد ہے۔

جن میں سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب بھی شامل ہیں۔ اور بھی کئی مولفین نے سیّد محمد سلیمان اشرف کو محدث بریلوی کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔ جیسے "تذکرہ علمائے اہلسنّت" از: مولانا محمود احمد قادری، "باغی ہندوستان" مرتبہ: عبدالشاہد خاں شروانی، "تحریک پاکستان میں خلفائے امام احمد رضا خاں کا کردار" پی ایچ ڈی مقالہ از: ڈاکٹر حسن امام، اور "فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد" از: مولانا عبدالغفار اعظمی وغیرہ میں بھی سیّد محمد سلیمان اشرف کو محدث بریلوی کے خلفاء میں شمار کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ فتاویٰ رضویہ کی جلدوں میں محدث بریلوی کے نام پروفیسر سیّد سلیمان اشرف صاحب کے کئی خطوط استفتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ لیکن جلد ہشتم صفحہ ۱۰۸، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور، جون ۱۹۹۵ء، میں آرائش مسجد سے متعلق ایک استفتاء پر موجود یہ عبارت "مسئلہ ۱۱۵۹: از علی گڑھ کالج مسئولہ حضرت مولانا محمد سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات، خلیفہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ۱۳۳۲ھ۔" بھی آپ کی محدث بریلوی سے نسبت خلافت کو ظاہر کرتی ہے۔

اس مقام پر یہ تاریخی حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں مناظرہ بریلی کے موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد جیسے طلیق اللسان اور زبان آوری پر ناز رکھنے والے خطیب کے مقابلے پر پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف کا انتخاب کیا گیا۔ حالانکہ اُس وقت جماعت رضائے مصطفیٰ کے نامزد وفد میں مولانا حامد رضا خاں، مولانا نعیم الدین مرادآبادی

، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا برہان الحق جبلپوری، اور مولانا حسنین رضا خاں، جیسے محدث بریلوی کے اَجلہ خلفاء شامل تھے۔ مگر علمائے بریلی کے دینی و ملی موقف کی ترجمانی کا فریضہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کو سونپا گیا۔ سیّد صاحب کی ذات پر یہ اعتماد و بھروسہ اُن کی دینی و فکری اصابت و استقامت اور حق گوئی و بیباکی کا ہی مظہر نہیں تھا، بلکہ محدث بریلوی کی انتہائی قربت و محبت اور نسبت خلافت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

اس کانفرنس میں آپ نے اس خوبی سے علمائے حق اہلسنّت و جماعت کا موقف پیش فرمایا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر ذمہ داران جمعیت علمائے ہند پر سکتہ طاری ہو گیا اور کسی سے کوئی معقول جواب نہ بن سکا۔ بقول مولانا نعیم الدین مرادآبادی "میدان سلیمان اشرف کے ہاتھ رہا۔"(۷) اور مولانا ابوالکلام آزاد کو تاریخی شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس تاریخی مناظرے میں آپ کی کامیابی کا بیان کرتے ہوئے ممتاز محقق اور دانشور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ "مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی میں جمعیت علماء ہند کے زیر اہتمام کانفرنس میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے ہندوؤں کی جانب مولانا ابوالکلام آزاد کے میلان کو ہدف تنقید بنایا اور اُنہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ "موالات" بھی ایسے ہی حرام ہے، جیسے انگریزوں کے ساتھ۔"(۸)

اب رہا یہ اعتراض کہ "مولانا نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی مرکزی درسگاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس و تدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر اُن کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے اُنہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا۔" مضمون نگار کی کم علمی پر دلالت کرتا ہے اور درج ذیل

حوالوں سے موصوف کا یہ دعویٰ بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے سیّد سلیمان اشرف صاحب کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی، پنجاب پبلک لائبریری و ڈائریکٹر بیت القرآن لاہور کا حوالہ پیش خدمت ہے، ڈاکٹر عابد احمد علی لکھتے ہیں "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مولانا بریلوی عشق رسول ﷺ کے جذبے سے اس حد تک سرشار تھے کہ اُس کے سامنے وہ ہر چیز کو ہیچ سمجھتے تھے اور میرا یہ تاثر اس لیے ہے کہ میں نے اپنے استاذ مولانا سلیمان اشرف کو بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا پایا جو کہ مولانا بریلوی کے خلفا میں تھے۔" (۹) یہاں ڈاکٹر عابد احمد علی کے بیان سے ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ محدث بریلوی اور اُن کے خلفاء بشمول پروفیسر سیّد سلیمان اشرف سب اپنے معتقدات اور ایمانیات کے معاملے میں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

سیّد سلیمان اشرف کے ایک اور شاگرد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سیّد سلیمان اشرف کو محدث بریلوی کا خلیفہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں "راقم الحروف کے استاد مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب تھے۔ وہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے خلیفہ تھے۔" (۱۰) یہی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اپنی کتاب "شخصیات" مطبوعہ زوار اکیڈمی کراچی، فروری ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۶۲، پر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سیّد سلیمان اشرف "بریلوی مسلک کے تھے۔"

جناب ڈاکٹر عبدالباری، ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اس حوالے سے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں" آپ عارف باللہ مولانا نور محمد اصدق دہلوی کے مرید بھی اور چشتی نظامی سلسلے سے منسلک تھے۔ آپ صرف ایک عالم دین ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں صاحب دل بزرگ بھی تھے۔ آپ کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے بھی خلافت حاصل تھی۔" (۱۱)

آگے چل کر تنزیل الصدیقی الحسینی سیّد محمد سلیمان اشرف کی محدث بریلوی سے خلافت کی نفی کرتے ہوئے یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ مولانا کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب "حیات و کارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری" میں مولانا بریلوی سے اُن کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر اُن سے نسبت تلمذ و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ تو اس حوالے سے عرض ہے کہ مولانا محمد علی اعظم خاں قادری، ناظم مدرسہ شرف العلوم غریب نواز کولکاتہ، بھارت کی یہ کتاب رضوی کتاب گھر دہلی سے پہلی بار ۱۹۹۲ء اور دوبارہ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔ جس میں فاضل مصنف نے سیّد صاحب کی حیات و خدمات کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

لیکن اس کوشش کے دوران اُن سے کئی علمی کوتاہیاں بھی سرزد ہوئیں۔ جیسے صفحہ ۳۳ پر" ایم، اے، او علی گڑھ کالج میں سیّد صاحب کا تقرر ۱۹۰۲ء میں ہوا۔" درست نہیں، صحیح ۱۹۰۸ء/۱۹۰۹ء ہے۔ صفحہ ۳۶ پر" مولانا موصوف (سیّد سلیمان اشرف) پچاس برس تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منصب درس و تدریس پر فائز رہے۔" جبکہ یہ مدت تیس برس تھی۔ صفحہ ۵۵ پر" علی گڑھ میں سیّد صاحب سے مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی کی ۱۹۲۰ء میں کی جانے والی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے۔" حالانکہ مفتی صاحب کا ۱۹۱۶ء میں انتقال ہو چکا تھا۔ تصنیفی ترتیب کے لحاظ سے "الرشاد" ۱۹۲۰ء میں اور "النور" ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی۔ مگر محمد علی اعظم خاں قادری نے صفحہ ۶۶ پر "النور" کو پہلے اور "ارشاد" کو بعد میں لیا ہے۔ سیّد محمد سلیمان اشرف کی درست تاریخ وفات ۲۶، اپریل ۱۹۳۹ء ہے، جبکہ صفحہ ۷۷ پر، "۲۷، اپریل ۱۹۳۹ء درج ہے۔"

اتنی اغلاط کے بعد "حیات و کارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری" کو جامع اور مستند سوانح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ درحقیقت یہ کتاب نقش اوّل ہے اور نقش اوّل میں ترمیم و تنسیخ اور مزید بہتری کی گنجائش خارج از امکان نہیں۔ ایسی صورت میں اگر محمد علی اعظم خاں قادری سیّد محمد سلیمان اشرف کی زندگی کے کسی پہلو کا ذکر کرنے سے چوک جاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب لینا کہ وہ پہلو سیّد صاحب کی زندگی کا حصہ نہیں قطعاً غلط ہے۔ اگر تنزیل الصدیقی کے اس اصول کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ مولانا کے سوانح نگار نے سیّد صاحب کی محدث بریلوی سے نسبتِ خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ تو کتاب میں درج مندرجہ بالا اغلاط کو بھی درست تسلیم کرنا پڑے گا، جو کہ خلاف واقعہ ہوگا۔

لہٰذا تنزیل الصدیقی کا یہ خود ساختہ کلیہ کہ "جو نہیں لکھا گیا وہ وقوع پزیر ہوا ہی نہیں۔ اور جو لکھا گیا بس وہی درست ہے۔" نا صرف اُن کی فکری کجی کا آئینہ دار ہے بلکہ اصل تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس اصول کی روشنی میں صرف سیّد صاحب کی سوانح پر ہی نہیں اور بھی سیرت و سوانحی کتب میں درج اور رہ جانے والے واقعات کی صحت پر بھی سوالات کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس تناظر میں موصوف کی دلیل

نہایت ہی کمزور اور خام خیالی کے زمرے میں آتی ہے۔

عقائد و نظریات اور اہل علم سے باہمی تعلقات:

جہاں تک پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کی ہردلعزیزی اور دیگر مکتبہ فکر کے افراد سے مراسم و تعلقات کا معاملہ ہے تو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ پروفیسر صاحب ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ، ہم عصر علماء اور اہل علم و دانش میں یکساں مقبول تھے۔ ہر طبقۂ فکر کے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ دوسری طرف خود سیّد صاحب بھی اپنے نقطۂ نظر کے مخالف اہل علم سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اُن کے حلقۂ احباب میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن مسلک آپ سے شدید اختلاف تھا۔ جیسے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاد اور ناظم دینیات مولانا ابوبکر شیث۔ جن کا مسلک و عقیدہ ہی نہیں سیاسی تعلق (مولانا جمعیۃ العلماء کے رکن اور اُس کے اجلاس میں پابندی سے شرکت کرتے تھے) بھی سیّد سلیمان اشرف کے مسلک اور سیاسی نظریے سے قطعاً جدا تھا۔

لیکن اس کے باوجود وہ علمی اعتبار سے سیّد صاحب کی نظر میں ’’بے نظیر آدمی‘‘ تھے اور اُن کے مصاحبین میں شامل تھے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مطابق ’’بایں ہمہ مختلف الخیال لوگوں سے بقول اُن کے کھاتہ کھلا ہوا تھا۔ خانقاہِ سلیمانیہ کے مقربین میں محمد اکرام اللہ خاں ندوی، مولانا ابوبکر صاحب، محمد مقتدیٰ خاں شروانی، نواب صدر یار جنگ بہادر، سیّد زین الدین صاحب تھے۔ باہر والوں میں مولوی ابوالحسن صاحب، سیّد بہاؤالدین صاحب کو یہ امتیاز حاصل تھا۔‘‘ (۱۲)

دوسرے مکاتیبِ فکر کے اہل علم کے ساتھ سیّد صاحب کا یہ تعلق و رابطہ محض علمی فضل کی بناء پر تھا۔ مسلک اور عقیدے کی بنیاد پر نہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کے شاگرد حافظ غلام غوث صمدانی لکھتے ہیں۔ ’’مولانا صاحب علم کی وقعت خود بھی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اُس کی عزت کرنے کیلئے کہتے تھے۔‘‘ (۱۳) جبکہ آپ کے ایک اور شاگرد مولانا ابرار حسین فاروقی ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱۵، صفحہ ۱۳۰ پر یہی بات کچھ اس انداز سے لکھتے ہیں کہ ’’وہ کسی کے علم و دولت کے آگے جھکنا جانتے ہی نہ تھے لیکن اہل فضل و کمال کی بڑی قدر کرتے تھے۔‘‘ لہٰذا سیّد سلیمان اشرف صاحب کی اس وسعت قلبی کو علم دوستی اور اہل علم کی قدر و منزلت کا نام دیا جاسکتا ہے جو کہ مسلم یونیورسٹی میں اُن کے منصب کا تقاضہ اور علی گڑھ کے علمی و ادبی ماحول کا خاصہ تھا۔ اس علم دوست روادانہ رویے کو سلامت روی اور وسیع المشربی سے تعبیر کرنا اور اس بنیاد پر سیّد صاحب کو صلح کلیت کا حامی قرار دینا جہاں صریحاً دروغ گوئی اور علمی بددیانتی پر مبنی ہے، وہیں یہ تاریخی حقائق کو مسخ کر کے اُن کی ذات و کردار کو متنازعہ بنانے کی بھی ایک ایسی مذموم کوشش ہے، جس کا مقصد شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کو جنم دے کر سیّد محمد سلمان اشرف بہاری کے کردار و عمل کو مشکوک بنانا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس مقام پر سیّد محمد سلیمان اشرف کے معتقدات اور اہل علم سے باہمی روابط کے ضمن میں بھی کچھ تاریخی حوالوں کا مختصراً جائزہ لیا جائے اور دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ وہ کیا منظر نامہ پیش کر رہے ہیں۔

سیّد سلیمان ندوی، سیّد محمد سلیمان اشرف کے ہم عصروں میں سے ہیں۔ سیّد صاحب کے انتقال پر اُنہوں نے ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ’’معارف‘‘ علی گڑھ میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں سیّد سلیمان ندوی، سیّد صاحب کی سیرت و کردار کو شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اُن کے مذہبی اعتقادات کو یوں بیان کرتے ہیں ’’اُن کے مذہبی خیالات علمائے بریلی کے مطابق تھے اور اُن (محدث بریلوی) کے بڑے مداح تھے۔ پھر بھی اُن کی ملاقات اور میل جول ہر خیال کے لوگوں سے تھا۔‘‘ (۱۴)

نواب مشتاق احمد خاں بھی سیّد محمد سلیمان اشرف کے ہم عصر ہیں، آپ سیّد صاحب کے مذہبی رجحانات اور معتقدات کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ’’مولانا اپنے مذہبی عقائد میں بڑے پکے تھے اور اُن کا اظہار بڑے بیباکانہ طریقے سے کرتے تھے۔ اسلام کے ناموس کی حفاظت کیلئے وہ ہر وقت آمادۂ جہاد رہتے تھے۔‘‘ (۱۵) یعنی ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

صرف یہی نہیں، بلکہ سیّد صاحب اپنے مذہبی معتقدات میں بڑے متصلب تھے اور جب مذہبی گفتگو ہوتی تو جلال میں آجاتے۔ چنانچہ اُن کے عزیز ترین شاگرد پروفیسر رشید احمد صدیقی اُن کے اس جذبہ ایمانی کے بارے میں لکھتے ہیں ’’میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہیں پایا...... مرعوب ہونا جانتے ہی نہ

تھے۔ کسی کے علم سے نہ کسی کی دولت سے۔ نہ کسی کے اقتدار سے۔ مذہبی عقائد میں کٹر، سلوک میں بے لوث، جو جتنا چھوٹا ہوتا اُس سے اُتنی ہی فروتنی سے ملتے۔ بڑا ہوتا تو اُس سے کہیں اور بڑا ہو کر ملتے۔ علم کا وقار اُن کے دم سے تھا...... مرحوم مذہبی معتقدات میں بڑا غلو رکھتے تھے اور اظہار کا موقع آتا تو کھلم کھلا اُن کا اعلان بھی کر دیا کرتے تھے...... علم و مذہب پر گفتگو کرتے کرتے ہوئے اکثر جلال میں آ جاتے۔ لیکن اس جلالت کی شان ہی کچھ اور ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ علم و مذہب کے بل پر یا اُن کے ناموس کی حفاظت پر آمادۂ جہاد ہیں۔ (مگر اُس میں) تکبر یا تبختر کا شائبہ تک نہ ہوتا۔" (۱۶)

یہ بھی درست ہے کہ سیّد سلیمان اشرف محدثِ بریلوی سے گہری محبت و عقیدت رکھتے تھے اور اُن کی تعلیمات و معتقدات سے بڑے متاثر تھے۔ چنانچہ سیّد صاحب کی محدثِ بریلوی سے محبت و عقیدت کو بیان کرتے ہوئے اُن کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی لکھتے ہیں "وہ اپنے معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علومِ عقلیہ میں خوش کلامی اور قوتِ بیان میں حضرت مولانا (محدث بریلوی) کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے۔ غیر اسلامی شعار کی مذمت میں تشدد، کانگریس اور ہندوؤں کی ہم نوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ، مشرکین کو نجس سمجھنا اور اُن کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت روا نہ رکھنا، یہ سب صفات دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں۔" (۱۷)

عظیم آباد کی تہذیبی داستان کے مصنف سیّد بدر الدین احمد کہتے ہیں کہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب "اپنے معتقدات کے اظہار میں ذرہ برابر بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ اُن کو اپنے علم اور اپنے ایمان پر کلی اعتماد تھا۔ وہ شک و تشکیک کی منزلوں سے دور ایمان و یقین کی منزلوں میں ہمیشہ رہتے رہے۔ اُن کی ہندوستان کے صاحبانِ علم و فضل سے برابر کی دوستی تھی مگر جہاں اُن علماء میں سے کسی کو لغزش کرتے دیکھتے تو بلا رعایت ٹوک بھی دیتے۔" (۱۸)

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ڈاکٹر عبد الباری سیّد سلیمان اشرف صاحب کے حوالے سے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔ جرأت و بیباکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے۔ کسی کے علم و فضل یا وجاہت و اقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔" (۱۹) یہی ڈاکٹر عبد الباری پروفیسر محمد زبیر (ڈائریکٹر پاکستان اسکول آف لائبریرین) کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں "مولانا اپنے نظریات و خیالات کے اظہار میں شمشیر برہنہ تھے۔ ہر موقع پر بڑی اور چھوٹی شخصیت کے سامنے سچی اور صحیح بات کو بلا تکلف اور برملا کہہ دیتے تھے۔ اُن کی شخصیت میں سنجیدگی، خودداری اور اصول پسندی بڑی انفرادی اور نرالی شان رکھتی تھی۔ اُن کے تبحر علمی پر جلال و جمال کے اتنے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جنھیں موصوف کا مزاج شناس ہی چھو سکتا ہے۔" (۲۰) "وہ اپنے دینی مسلک اور دنیوی معاملات میں اپنے پسندیدہ اُصولوں سے ذرہ برابر بھی سر کنار وانہ رکھتے تھے۔" (۲۱)

جناب پروفیسر طلحہ رضوی برق کے مطابق "مولانا سیّد سلیمان اشرف حنفی المذہب، سنّی اور اپنے عقائد میں بہت سخت تھے۔ انھیں حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے ایک خاص لگاؤ اور گہری عقیدت و محبت تھی۔ (۲۲) جس کا اندازہ "حیات صدر الشریعہ" میں درج اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ محدثِ بریلوی کے وصال کے بعد "چہلم کے موقع پر جب مولانا سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ سے آئے تو فرمانے لگے پہلے جب میں کبھی بریلی آتا تھا اور محلہ سوداگراں کی گلی میں گھستا تھا تو وہیں سے مجھے ایک کیفیت محسوس ہوتی تھی جس کا اثر قلب و دماغ پر ہوتا اور دل اُس کیفیت سے لطف اندوز ہوتا۔ آج جو اس گلی میں آیا ہوں تو وہ کیفیت نہیں پاتا ہوں، آج حالت ہی بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ خود ہم لوگوں کو آنے جانے میں اس قسم کا فرق محسوس ہوتا ہے۔ نمازوں میں جو کیفیت ہوا کرتی تھی وہ نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ اعلیٰ حضرت نہیں پڑھاتے تھے مگر چونکہ اُن کی شرکت رہتی تھی اس وجہ سے وہ بہت پُر کیف ہوتی تھیں اور دور دور سے لوگ اس کیلئے جاتے تھے جس کا صرف مقصد یہ ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ (۲۳)

حقیقت یہ ہے کہ "آپ (سیّد سلیمان اشرف) سوادِ اعظم اہلسنّت و جماعت کے بلند پایہ مفکر و مدبّر عالم دین تھے۔ عقائد و معمولات اہلسنّت کے مکمل پابند ہی نہیں بلکہ اُن کے داعی و مبلغ و

ترجمان بھی تھے۔ دینی و فکری اصابت و استقامت اور حق گوئی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔" (۲۴) پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف اپنے معتقدات کے اظہار میں پُر اعتماد اور حق بات کہنے والے" مذہباً حنفی اور مشرباً چشتی نظامی" (۲۵) بزرگ تھے۔ وہ محدث بریلوی سے محبت و عقیدت نہیں خلافت و اجازت بھی رکھتے تھے۔ اور اُن کا" دینی و سیاسی مسلک مولانا احمد رضا بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔" (۲۶) جس پر وہ زندگی بھر سختی کے ساتھ گامزن رہے۔

اس کے باوجود پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف کا زندگی بھر یہ طرزِ عمل رہا کہ ہمیشہ اُن کلمات کو دہرانے سے اجتناب برتا جن سے بدمزگی اور مزید پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا۔ سیّد صاحب نے کبھی بھی خود سے کسی بحث و مباحثہ میں الجھنے اور مناظرہ کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ اور اپنے شدید ترین مخالفین اور مناظرے و مباحلے کی دعوت دینے والوں سے بھی یہ کہہ کر حتی الامکان گریز کیا کرتے تھے کہ" الحمد للہ کہ ساری عمر اس سے محفوظ رہا ہوں۔ آپ تین سو یا تین ہزار یا تین لاکھ اعتراض رکھتے ہوں، تو بسم اللہ بصد شوق لکھیے، چھاپیے، تقسیم کیجئے۔ اپنی ذہانت و ذکاوت اپنے تبحرِ علم و فضل کا خراجِ تحسین وصول فرمایئے، فقیر سے مخاطب ہونا فضول ہے۔ آئندہ اس قسم کی تحریروں کا جواب محض سکوت ہوگا۔ ہاں آپ کو اختیارِ کامل ہے کہ فقیر کے سکوت کو جن الفاظ و عبارات میں چاہیں اخبارات میں بھیجیں، جرائد میں شائع فرمائیں، نہ اس کا گلہ، نہ شکوہ۔" (۲۷)

چنانچہ ذیل میں حافظ غلام غوث صمدانی صاحب کا بیان کیا ہوا واقعہ اُن کے اسی طرزِ عمل کا عکاس کہ آپ نہ صرف خود اپنے مخالفین سے الجھنے اور بحث و مباحثہ کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ اپنے محبین کو بھی اس عمل سے روکتے تھے۔ دیکھئے حافظ صاحب لکھتے ہیں" مرزا ابراہیم بیگ اپنے اخبار سرگزشت میں ہر ہفتہ "نقش سلیمانی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھتے جس میں مولانا (سیّد سلیمان اشرف) پر خوب لے دے کی جاتی۔ مولانا کے معتقدین میں سے ایک صاحب نے مولانا سے اجازت چاہی کہ اس بکواس کا جواب دیا جائے، مگر مولانا نے منع فرمادیا اور کہا تلوار کی جنگ ہو یا قلم کی، بہادروں سے لڑی جاتی ہے، بیسواں سے نہیں۔ یہ خبر مرزا صاحب تک کسی نے پہنچادی اُس کے بعد سے "نقش سلیمانی" ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا۔" (۲۸)

قارئین محترم! مندرجہ بالا حوالوں سے پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے ایمانی معتقدات اور دینی و سیاسی مسلکی وابستگی کی مکمل وضاحت ہوجاتی ہے۔ جہاں تک اُن کے دیگر مکتبہ فکر کے اہل علم و دانش کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ بات طے ہے کہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے روابط بہت وسیع تھے۔ بقول علامہ اقبال

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مری کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک

چنانچہ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

" مرحوم کی ایسوں ایسوں سے بھی گہری دوستی تھی جن کو دین و مذہب سے دور کا بھی سروکار نہیں (تھا) اور ایسوں سے بھی تھی جو اپنے وقت کے بڑے جید عالم دین سمجھے جاتے تھے۔ ہر شخص محبت و احترام کے جذبات لے کر آتا تھا اور مطمئن و مسرور واپس جاتا۔ جس سے طبیعت نہ ملتی کبھی اُس کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ مرحوم کی صحبتوں میں بیٹھ سکے۔ مرحوم اس معاملے میں بڑے کھرے تھے، کبھی دنیا سازی کی خاطر کسی کی تالیف قلب نہ کی۔" (۲۹)

سیّد سلیمان اشرف کے ایک اور شاگرد مولانا ابرار حسین فاروقی فرماتے ہیں" مولانائے ممدوح کے تعلقات و روابط اپنے معاصرین سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں اور حکام دار العلوم سے ہمیشہ خوشگوار رہے۔" (۳۰)

سید بدرالدین احمد "عظیم آباد کی تہذیبی داستان میں رقمطراز ہیں کہ" مولانا اگرچہ علی گڑھ کالج میں دینیات کے پروفیسر تھے مگر پوری یونیورسٹی پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ سب سے الگ رہتے تھے مگر لوگ اُن کو اپنے سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہیں نہیں جاتے تھے، مگر اُن کے یہاں معمولی حیثیت کے لوگ بھی، بڑے بڑے تعلقدار بھی، علماء اور فضلاء بھی، سیاسی رہنمایان بھی اور اعلیٰ حکام بھی آتے تھے۔ مولانا سب سے بڑے اخلاق سے ملتے اور اپنی صحبت میں اس بات کو نمایاں طور پر ملحوظ رکھتے کہ مساوات و اخلاق کے ترازو کا پلہ کسی سے ملنے میں کم و بیش نہ ہو۔

وہ حق بین تھے مصلحت بین نہ تھے۔ اسی لیے حق کے مقابلے میں مصلحت اندیشی کو برابر بُرا سمجھتے رہے۔ اُن کی یہی حق بینی اور حق پسندی یونیورسٹی سے باہر اور یونیورسٹی کے اندر ہر معرکے میں اُن کی

کامیابی کی دلیلیں تھیں۔ اُن کو اپنے پرانے عقائد اور اپنے اُصولوں پر اعتماد کلی تھا...... اُن کے شناسا اور اُن سے ملنے والے ہزاروں تھے۔ مگر اُن کی ہر ایک سے دوستی نہ تھی۔" (۳۱)

قارئین محترم! یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ متذکرہ چند حوالے جو کہ عینی شاہدین کے ذاتی تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہیں، کو مدنظر رکھتے ہوئے سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے مذہبی معمولات، روایات اور اُصول و معتقدات کی جو تصویر بنتی ہے، اُس کے مطابق سیّد سلیمان اشرف صاحب ایک راسخ العقیدہ سنّی حنفی مسلمان تھے۔ محدث بریلوی کے خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا دینی و سیاسی مسلک محدث بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے عقیدے و نظریے کے اظہار میں جری و بیباک تھے۔ انہیں کسی سے ڈرنا، جھجکنا اور گول مول باتیں کرنا سخت ناپسند تھا۔ غیر اسلامی شعار اور اسلام دشمنوں کی حمایتیوں کے سخت مخالف تھے۔ کفار و مشرکین سے کسی قسم کی مداہنت روا رکھنے کے قائل نہیں تھے۔ اور وہ شک و تشکیک کے بجائے ہمیشہ ایمان و یقین کی راہوں کے مسافر رہے۔ اُن کے دیگر مکاتیب فکر کے افراد سے باہمی روابط و تعلقات کے حوالے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

خلاصہ کلام:

مندرجہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنزیل الصدیقی کے مضمون کے مندرجہ بالا پیراگراف کے آخری حصے میں کہی گئی بات بڑی عجیب لگتی ہے۔ موصوف ایک طرف تو سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کو اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑا جری و بیباک اور کسی مخالفت کا پرواہ نہ کرنے والا مجاہد قرار دیتے ہوئے اُن کی اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن دوسری جانب خود ہی سیّد صاحب کا دینی و سیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق قرار دیتے ہوئے انہیں وسیع المشربی اور صلح کلیت کا حامی بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی دونوں باتیں باہم متصادم اور ایک دوسرے کی نفی کرتی ہیں۔

جناب کی بات سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں جری و بیباک اور کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرنے والا ہو۔ جو معتقدات میں کٹر و متصلب ہو اور ساتھ ہی وہ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے ساتھ اپنا دینی و سیاسی مسلک محدث بریلوی کے مسلک کے مطابق رکھتا ہو، اور انہی کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ کیسے سلامت روی، وسیع المشربی اور صلح کلیت کا حامی ہو سکتا ہے۔؟ کیا محدث بریلوی کے ساتھ عقیدت و محبت اور شدت سے وابستگی رکھنے والوں میں ایسی کوئی اچھوتی مثال نظر آتی ہے۔؟

چنانچہ موصوف کی بات کو قبول کرنے سے پہلے دیکھنا ہوگا کہ اُن کے اس طرز استدلال کا، تاریخی حوالہ کیا ہے۔؟ کیا ہم عصر علماء و مشائخ، شاگرد اور عینی شاہدین کے بیانات جو کہ ذاتی مشاہدات پر مبنی ہوں، میں ایسی کوئی روایت موجود ہے۔؟ ماسوائے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے۔ جو مولانا زوار حسین شاہ (دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے) کے بہت معتقد و مرید تھے اور خود ڈاکٹر صاحب کا اپنا رجحان بھی اسی جانب تھا۔ ہماری معرفت کے مطابق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں پہلے راوی ہیں جنھوں نے سیّد سلیمان اشرف صاحب کے بارے میں لکھا کہ "مولانا گو بریلوی مسلک کے تھے لیکن آج کل کے بریلوی حضرات کی طرح شدت نہیں برتتے تھے۔ وہ ہمیشہ مولانا ابوبکر شیث جونپوری کے پیچھے نماز ادا کرتے جو دیوبندی تھے۔" (۳۲)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات کا تاریخی ثبوت کیا ہے۔؟ کیا اُن کی اس بات کی تائید و توثیق کسی اور ہم عصر حوالے سے ہوتی ہے۔؟ اگر نہیں ہوتی، تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی بات میں کسی مسلکی حسد و عناد کا عنصر کارفرما تو نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے دانستہ سیّد سلیمان اشرف کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی ہو۔؟

دستیاب شواہد بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سب سے پہلے فرد ہیں جنھوں نے سیّد سلیمان اشرف صاحب کی مذہبی رواداری کی بات کی۔ اور اُن کی پیروی کرتے ہوئے غیر مقلد (اہلحدیث) مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے تنزیل الصدیقی الحسینی نے اس بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے سیّد صاحب کو نہ صرف وسیع المشربی اور صلح کلی ثابت کرنے کی کوشش کی بلکہ محدث بریلوی سے حاصل خلافت و اجازت کے حوالے سے بھی کئی نئے شوشے چھوڑے۔ جو کہ صریحاً

خلاف حقیقت اور ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کی طرح اُن کے مذہبی اور مسلکی رجحان اور جھکاؤ کا شاخسانہ معلوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس تضاد بیانی یا مذہبی تعصب و مخاصمت پر کسی تبصرے سے گریز کرتے ہوئے یہاں اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ مذہبی معتقدات اور باہمی معاملات و تعلقات دو علیحدہ علیحدہ عمل ہیں۔ جن کے درمیان فرق کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر ایک شخص اپنے مذہبی معمولات، روایات اور اصول و معتقدات پر سختی کے ساتھ عمل پیرا رہتے ہوئے بھی اپنے سے مخالف اعتقاد رکھنے والے فرد یا افراد کے ساتھ سیاسی، سماجی اور معاشرتی تعلقات قائم رکھتا ہے، یا زندگی کے کسی حصے میں حصول علم کیلئے رجوع کرتا ہے تو اس کا قطعی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ وسیع المشربی اور صلح کلیت کا حامی ہے۔

ویسے بھی سید محمد سلیمان اشرف صاحب کی کتاب زندگی گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اپنے معتقدات پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ زندگی بھر اس اصول پر عمل پیرا رہے کہ "اپنے مسلک کو چھوڑو مت اور دوسرے کو چھیڑو مت۔ اگر کوئی چھیڑے تو پھر اُسے چھوڑو مت۔" اس بات کی گواہی سید سلیمان ندوی "یاد رفتگاں" کے صفحہ ۱۹۰ پر دیتے ہوئے لکھتے ہیں "وہ کسی سے مناظرہ نہیں کرتے تھے اور جب کرتے تھے تو گتھ جاتے تھے۔" سید سلیمان ندوی کے خیالات اور دیگر ہم عصروں کی آراء کے علاوہ سید صاحب کے شاگرد ڈاکٹر سید عابد احمد علی و پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر محمد زبیر، ڈاکٹر ظلحہ رضوی اور حافظ غلام غوث صمدانی وغیرہ کی تحاریر گواہ ہیں کہ سید سلیمان اشرف کے مذہبی معتقدات کیا تھے۔ لہٰذا ؎

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

اس کے باوجود اگر اُن کے دیگر مکتبہ فکر کے افراد کے ساتھ تعلقات تھے تو اُس کی بنیادی وجہ علم و فضل کا احترام تھا اور اُن کے یہ باہمی تعلقات اسی جذبے کے تحت تھے۔ اور انہوں نے ہمیشہ اپنے معتقدات کی بناء پر مذہبی مخاصمت اور تنگ نظری سے گریز کرتے ہوئے ایک مہذب اور علم دوست انسان ہونے کا ثبوت دیا۔

اس حقیقت کو اچھی جاننے کے باوجود تنزیل الصدیقی الحسنی نے دیدہ و دانستہ معتقدات اور باہمی معاملات کو آپس میں گڈمڈ کرتے ہوئے سید صاحب پر وسیع المشربی اور صلح کلیت کا بہتان لگایا اور ساتھ ہی محدث بریلوی سے حاصل اُن کی خلافت پر بھی سوال کھڑا کیا۔ جس کا پس پردہ مقصد عوام الناس اور سید صاحب کے محبین کے ذہنوں میں غلط فہمی اور شکوک و شبہات کی فضا پیدا کرکے اُن کی ذات کو مشکوک بنانے کے سوا اور کچھ نہیں لگتا۔ چنانچہ اس تناظر میں تنزیل الصدیقی صاحب کا یہ طرز عمل نہ صرف دیانتدارانہ تحقیقی کے تقاضوں کے خلاف ہے بلکہ دینی و شرعی اُصولوں کے بھی صریحاً منافی ہے۔

آخر میں یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ تاریخ میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ محدث بریلوی کے ماننے والے اور اُن کے خلفاء، بالخصوص پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاری کبھی بھی وسیع المشربی اور صلح کلیت کے حامی رہے ہوں یا انہوں نے کسی گستاخ رسول اور مخالفین دین و ملت سے باہمی تعلقات میں لحاظ و مروت اور محبت و رواداری کا مظاہرہ کرکے دین اسلام کے متعین کردہ اصول و قواعد سے انحراف کیا ہو۔ تمام خلفائے محدث بریلوی اور پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کا طرز عمل تو یہ تھا کہ "اس دور پرفتن میں جب کہ ہر طرف سے اسلام پر اور خصوصاً ائمہ تقلید اربعہ پر یلغار ہو رہی تھی اور نام نہاد علماء کا ایک طبقہ مقام مصطفیٰ ﷺ کو نعوذ باللہ گھٹانے کی فکر میں صبح و شام مصروف عمل تھا۔ مولانا سید سلیمان اشرف بلا کم و کاست اور بغیر مصلحت نہ صرف اُن کے خلاف سینہ سپر تھے، بلکہ فقہ حنفی کے متصلب پیروکار بھی تھے۔" (۳۳) اور اُن کا طرز زندگی علامہ اقبال کے اس شعر کی مصداق تھا۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ظہور الدین امرتسری صاحب سے ایک گزارش:

آخر میں جناب ظہور الدین امرتسری صاحب (جو پاکستان میں سید سلیمان اشرف کے چاہنے والے اور "سلیمان شناسی" کی روایت کے بانی ہیں) سے صرف اتنی گزارش ہے کہ کسی ایسے شخص کی تحریر، جو اپنے مذہبی اور سیاسی معتقدات میں سید سلیمان اشرف یا کسی اور اکابر سے اختلاف رکھتا ہو، کو شامل کتاب کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھیں کہ صاحب مضمون نے انصاف اور دیانت داری سے کام لیا ہے یا نہیں۔ اس نے کہیں اپنے کسی بغض و عداوت اور مذہبی مخاصمت کے پیش نظر کتاب اور صاحب کتاب کی شخصیت اور کردار و عمل کو متنازعہ بنانے کی کوشش تو نہیں کی۔

اگر محترم ظہور الدین صاحب تنزیل الصدیقی الحسینی کے مضمون "سخن ہائے گفتنی" کو "الخطاب" میں شامل کرنے سے پہلے اُس کے سیاق وسباق اور مرتب ہونے والے اثرات ومضمرات کو پیش نظر رکھ لیتے تو یقیناً اس قسم کی صورتحال جنم نہ لیتی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ظہور الدین صاحب آئندہ محتاط اور ذمہ دارانہ رویئے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قسم کی کوتاہی سے لازمی بچیں جس سے اُن کی نہ صرف اپنی زندگی بھر کی محنت اور نیک نامی پر بھی حرف آتا ہو، بلکہ دوسروں کو بھی چھینی نکتہ چینی کا موقع ملتا ہو۔

❀❀❀

حوالہ جات:

(۱) دیکھئے مضمون "سخن ہائے گفتنی" مشمولہ الخطاب، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، طبع جدید اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص: ۸۰۔ ۷۳

(۲) ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، کلیات مکاتیب رضا، جلد دوم، مکتبہ بحر العلوم گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۰۵ء، ص: ۳۳۶

(۳) محمد صادق قصوری، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۲ء، ص: ۸

(۴) ایضاً ص: ۳۔ ۳

(۵) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، خلفائے محدث بریلوی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۱۔ ۱۳

(۶) عبد الحکیم شرف قادری، خلفاء امام احمد رضا، مرتبہ محمد عبد الستار طاہر، مکتبہ شمس و قمر لاہور، اگست ۲۰۱۱ء، ص: ۹۹

(۷) محمد جلال الدین قادری، ابو الکلام آزاد کی تاریخی شکست، مکتب رضویہ، اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص: ۱۸۱

(۸) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مضمون "دو قومی نظریہ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی" بحوالہ انٹرنیٹ (http://www.alahazratnetwork.org/modules/worksonalahazrat/item.php?itemid=78)

(۹) ڈاکٹر سید عابد احمد علی، مقالات یوم رضا، حصہ سوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۶

(۱۰) ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، بھولی ہوئی کہانیاں، مطبوعہ گابا ایجوکیشنل بکس کراچی، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۱

(۱۱) ڈاکٹر عبد الباری، مضمون "مولانا سید سلیمان اشرف" نامورانِ علی گڑھ، تیسرا کارواں جلد دوم" سہ ماہی فکر ونظر خصوصی شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء، ص: ۴۷

(۱۲) پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گراں مایہ، کتابی دنیا لمیٹڈ، دہلی، جنوری ۱۹۴۷ء، ص: ۵۵

(۱۳) حافظ غلام غوث صمدانی، مضمون "مولانا سید سلیمان اشرف اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شروانی کے تعلقات" سہ ماہی العلم کراچی، جلد ۲۳، شمارہ ۲، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء، ص: ۸۴

(۱۴) سید سلیمان ندوی، شذرات، معارف اعظم گڑھ جون ۱۹۳۹ء، ص: ۴۰۲، یاد رفتگاں، سید سلیمان ندوی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی ۲۰۰۴ء، ص: ۱۹۰

(۱۵) مضمون، نواب مشتاق احمد خان، ضیائے حرم لاہور، جون ۱۹۷۷ء، ص: ۹۳

(۱۶) پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گراں مایہ، کتابی دنیا لمیٹڈ، دہلی، جنوری ۱۹۴۷ء، ص: ۵۹۔ ۵۵۔ ۴۳۔ ۴۶

(۱۷) ڈاکٹر سید عابد احمد علی، مقالات یوم رضا حصہ سوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۴۔ ۵

(۱۸) سید بدر الدین احمد، حقیقت بھی کہانی بھی (عظیم آباد کی تہذیبی داستان)، بہار اردو اکیڈمی پٹنہ ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۳

(۱۹) ڈاکٹر عبد الباری، مضمون "مولانا سید سلیمان اشرف" نامورانِ علی گڑھ، تیسرا کارواں جلد دوم" سہ ماہی فکر ونظر خصوصی شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء، ص: ۴۸

(۲۰) ایضاً ص: ۴۸

(۲۱) پروفیسر محمد زبیر، ماہنامہ معارف کراچی، ۱۹۹۳ء، مشمولہ علامہ سید سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص: ۱۵

(۲۲) نقد و نظر، دانا پور بہار، ص: ۱۹۳۔ ۱۹۳، مشمولہ علامہ سید سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص: ۳۴

(۲۳) مفتی عبد المنان اعظمی، حیات صدر الشریعہ، رضا اکیڈمی لاہور، جون ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۳

(۲۴) مولانا یٰسین اختر مصباحی، سالانہ روشنی، ویشالی ۲۰۱۵ء، کاندرس نمبر ص: ۲۸۸، مشمولہ علامہ سید سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص: ۳۵

(۲۵) محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہلسنت، کانپور ۱۳۹۱ھ، ص: ۱۰۱

(۲۶) محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، مضمون "سخن ہائے گفتنی" مشمولہ الخطاب، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، طبع جدید اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص: ۷۵

(۲۷) مکتوب بنام مولوی محمد حبیب الرحمن صاحب بدایونی، البیان، مطبوعہ وکٹوریہ پریس بدایوں۔ ۱۹۲۱ء، ص: ۳۷

(۲۸) حافظ غلام غوث، مضمون "مولانا سید سلیمان اشرف اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شروانی کے تعلقات" سہ ماہی العلم کراچی، جلد ۲۳، شمارہ ۲، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء، ص: ۸۴

(۲۹) پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گراں مایہ، کتابی دنیا لمیٹڈ، دہلی، جنوری ۱۹۴۷ء، ص: ۴۷

(۳۰) معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱۵، ص: ۱۴۵

(۳۱) سید بدر الدین احمد، عظیم آباد کی تہذیبی داستان، بہار اردو اکیڈمی پٹنہ، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۳۲

(۳۲) شخصیات، مرتبہ سید عزیز الرحمان، زوار اکیڈمی کراچی، فروری ۲۰۰۹ء، ص: ۹۲

(۳۳) خواجہ رضی حیدر، تذکرہ محدث سورتی، ممبئی ص: ۲۴۶۔ ۲۴۵، مشمولہ علامہ سید سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص: ۳۸

□□□